

جلد نمبر
33

عمران سیریز

آخری آدمی

115 - رات کا بھکاری

116 - آخری آدمی

ابن صفی

پیشرس

”رات کا بھکاری“ ملاحظہ فرمائیے۔ میں ابھی تک پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا ہوں۔ لیکن بہر حال اللہ کا کرم ہے کہ کسی قدر آپ کی خدمت کے قابل ہو سکا ہوں۔ ”رات کا بھکاری“ ایک بالکل نئے انداز کی کہانی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اسے پسند فرمائیں گے۔

میں ان تمام پڑھنے والوں کا شکر گزار ہوں جو خطوط لکھ کر میری خیریت دریافت کرتے رہتے ہیں۔ فرداً فرداً جواب لکھنے کی سکت تو میں خود میں نہیں پاتا لیکن میری یہ درخواست برابر جاری رہے گی کہ مجھے اپنی دعاؤں میں برابر یاد رکھئے علاج مسلسل جاری ہے لیکن صحت کلی اللہ پاک کے اختیار میں ہے۔

ایک بھائی نے پوچھا ہے کہ جب ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو آپ لکھ کیوں رہے ہیں۔ جب تک بالکل صحت یاب نہ ہو جائیں ہر گز نہ لکھیں۔

کیا عرض کروں بھائی اس احساس سے پیچھا چھڑانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں کہ بیمار ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ جس قدر

بھی صحت مجھے ہوئی ہے اُس میں اسی رویے کو دخل ہے۔

پچھلی کتاب ”خطرناک انگلیاں“ کی پسندیدگی کا شکریہ بھی مجھے ضرور ادا کرنا چاہئے۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وقفہ طویل ہو جانے کی بناء پر آپ کہانی میں کوئی جھول نہ محسوس کر لیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی نے بھی اس قسم کی کوئی شکایت نہیں کی۔ صرف ایک خط ایسا ملا ہے جس میں مجھے مشورہ دیا گیا ہے کہ اب کوئی اور پیشہ اختیار کر لوں۔ اُن صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اُسے وہ تنقید قرار دیتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ کسی چیز کو اچھایا بُرا کہہ دینا تنقید نہیں ہے۔ تنقید کے لئے ضروری ہے کہ پسندیدگی یا ناپسندیدگی کے اسباب سے باقاعدہ بحث کی جائے۔ آپ مجھے لکھئے کہ کتاب آپ کو کیوں پسند نہیں آئی۔ کہانی میں کیا خامی تھی۔

کچھ بھائیوں نے فرمائش کی ہے کہ آپ پھر ایک سلسلہ فریدی اور حمید کا لکھ ڈالوں۔ میں اُن کی خواہش ضرور پوری کروں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ ذرا کچھ اور ذہنی توانائی حاصل کر لینے دیجئے۔ دراصل فریدی پر مجھے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ بہر حال دعا فرمائیے کہ جلد پوری طرح آپ کی خدمت کے قابل ہو جاؤں۔

والسلام

ابن صفی

”کیسے مانگے کا بھیک....!“

”میں آوازیں لگا کر بتاتا ہوں.... ان میں سے جو بھی پسند آئے اس کی پرنکس کر ڈال۔!“

پھر سلیمان طرح طرح کی صدائیں لگاتا رہا تھا اور جوزف اس طرح منہ بنائے بیٹھا تھا جیسے اُس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا ہو۔

”اے آواز میں آواز ملتا چل....!“ سلیمان جھلا کر بولا۔

”نائیں بنے گا.... ڈیر....!“ جوزف نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”بس تو پھر جھک مار تارہ....!“ سلیمان جھلا کر بولا اور جوزف سسکیاں لینے لگا۔

رات کے گیارہ بجے تھے۔ عمران گھر پر موجود نہیں تھا اور گرخ بے خبر سو رہی تھی۔

سلیمان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اچھا دیکھ اس طرح کر سکتا ہے۔!“

جوزف پوری طرح اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سلیمان نے آنکھیں بند کر لیں اور داہنا ہاتھ

آگے پھیلاتا ہوا بولا۔ ”بھیں....!“

جوزف نے غیر ارادی طور پر اس کی نقل اتاری اور خوش ہو کر بولا۔ ”بن گیا بن گیا....!“

”بھیں.... ایک بار پھر....!“ سلیمان نے کہا۔

”ٹھیک ہے.... ابھی چل میرے ساتھ....!“ سلیمان نے کہا۔ ”لیکن یہ چٹلون قمیض

اتار دے۔ میں اپنا ایک پرائیوٹ سٹ نکالتا ہوں۔!“

”ٹیر اسٹ چھوٹا ہو گا۔!“ جوزف بولا۔

”اے تمہی تو بھیک منگا معلوم ہو گا۔ مگر بیٹا.... ایک بات پہلے سے طے ہونی چاہئے۔!“

”کیا! ہاٹ.... بولو.... بولو....!“

”میرے کمیشن کا کیا کر ہے گا۔!“

”جو بولے گا....!“ جوزف نے جلدی سے کہا۔

”ففتی.... ففتی.... اور میں تو تیرے ساتھ ہی رہوں گا۔ تجھ سے کچھ فاصلے پر رہ کر تیری

نگرانی کیا کروں گا۔ آخر میری محنت بھی تو اس میں شامل ہوگی۔!“

”ہاں.... ہاں....!“ جوزف جلدی سے بولا۔ ”ففتی.... ففتی....!“

”اچھی بات ہے تو پھر سوٹ نکال کر لاتا ہوں۔!“ سلیمان نے کہا اور جوزف کے کمرے سے



جوزف کی حالت ابتر تھی۔ شراب بندی کے بعد اس نے سلیمان کی وساطت سے چرس کی عادت ڈالی تھی۔ لیکن عمران نے اس کا یومیہ جیب خرچ بند کر دیا تھا۔ محض اسی لئے کہ آسمان سے گرا ہوا کھجور میں نہ آسکے۔

اس وقت تو جوزف باقاعدہ ٹوے بہار ہاتھ اور سلیمان اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا جاجیگا۔

”اے لمڈھیک شرم نہیں آتی تجھے اس طرح روتے ہوئے۔!“ سلیمان بالا خر جھلا کر بولا۔

”کیا کرے.... ابار کچھ سمجھ میں نہیں آتا....!“ جوزف بمشکل کہہ سکا۔

”تو میں اپنی جیب سے پلانے سے رہا۔ میری اپنی ہی گذر بسر اتنے پیسوں میں نہیں ہوتی۔!“

”ہم کیا کرے بھائی....!“

”بھیک مانگا کر.... یہ خدا رسیدوں کا نشہ ہے۔ بہتر ہے اس کے لئے بھیک بھی مانگتے ہیں۔!“

سلیمان نے کہا۔

”بھیک کیسے مانگے.... باس کیا بولے گا۔!“

”باس کو پتہ چلے گا تو بولے گا....!“ سلیمان برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”یہ تو ہر معاملے میں باس

باس کیوں کرنے لگتا ہے۔ باس کو رحم آیا تھا تجھ پر....؟“

”چپ راؤ۔ چپ راؤ۔ باس کو ٹم کچھ نہیں کہے گا۔ وہ جو کچھ کرنا ٹھیک کرنا۔ ہم سالا بڈ نصیب!“

”بس تو پھر سر پھوڑا کر میری بلا سے....!“

”نائیں بھائی سلیمان.... کوئی ٹریک....!“

”ترکیب بتائی تو ہے۔ مگر تیرے پلے ہی نہیں پڑتی۔!“

نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنا پھنسا پڑا شلوار سوٹ لئے ہوئے پھر وہاں پہنچ گیا تھا۔

”جلدی سے پہن لے.... صاحب ٹو سیٹر نہیں لے گئے۔ بس ابھی چلتے ہیں۔!“ اس نے جوزف سے کہا۔

وہ پھر کمرے سے باہر آکر دروازے کے قریب ہی رک گیا تاکہ جوزف لباس تبدیل کر سکے۔ جوزف نے تھوڑی دیر بعد اُسے آواز دی وہ کمرے میں پہنچا اور جوزف پر نظر پڑتے ہی اُسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ شلوار کے پانچ گھٹنوں سے ذرا ہی نیچے تھے اور قمیض کے کف کہنوں تک پہنچ گئے تھے۔

”کیوں ہانستا....!“ جوزف جھینپ کر بولا۔

”ہنستا نہیں.... خوش ہو رہا ہوں کہ اب تجھے شائد صاحب بھی نہ پہچان سکیں۔!“

”یہ تو اچھا باٹ....!“ جوزف نے بھی خوشی ظاہر کی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ٹو سیٹر میں بندرگاہ کی جانب چلے جا رہے تھے۔ سلیمان فلیٹ کا دروازہ مقفل کر آیا تھا۔ ایک کنبی عمران کے پاس رہتی ہی تھی لہذا اسے اطمینان تھا کہ اگر عمران کی واپسی ہو بھی گئی تو اسے فلیٹ میں داخل ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

”دیکھ.... بندرگاہ کے علاقے میں ایک ہوٹل ہے۔“ سلیمان نے کہا۔ ”وہاں زیادہ تر غیر ملکی ملاح بیٹھتے ہیں۔ اس لئے تو گھنٹے دو گھنٹے ہی میں بہت کچھ کما لے گا۔!“

”ہوٹل کا انڈر....!“ جوزف نے پوچھا۔

”ابے نہیں باہر ہی.... ایک خاص جگہ تجھے کھڑا کر دوں گا۔!“

”اچھا.... اچھا....!“ جوزف سر ہلا کر رہ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اُس علاقے میں پہنچ گئے جہاں ذکر سلیمان نے کیا تھا اس نے گاڑی ایک نیم تاریک جگہ پر روکی اور جوزف سے بولا۔ ”وہ دیکھ وہ رہا ہوٹل سامنے اور وہ بجلی کا کھمبا بھی دیکھ رہا ہے نا....!“

”ہاں.... ہاں.... دیکھنا....!“

”بس اسی کھمبے سے لگ کر کھڑا ہو جا اور جیسے ہی کوئی قریب سے گذرے بھیس کر کے ہاتھ

پھیلا دیجو....!“

”اچھا.... اچھا....!“

وہ گاڑی سے اتر کر الیکٹرک پول کے قریب جا کھڑا ہوا۔

پھر جلد ہی وہ گھڑی آگئی کہ سلیمان اُسے دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔ شائد ہی اُدھر سے کوئی ایسا گذرا ہو جس نے جوزف کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ رکھ نہ دیا ہو۔

دو گھنٹے بعد سلیمان اُس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ ”اب اس طرح میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چلنا شروع کر دے جیسے چمچ اندھا ہو۔!“

جوزف نے فوراً ہی تعمیل کی۔ اس طرح وہ ٹو سیٹر تک پہنچے اور سلیمان چاروں طرف نظر دوڑانے لگا کہ کسی نے انہیں گاڑی تک آتے ہوئے دیکھا تو نہیں۔

”چل بیٹھ جا جلدی سے۔!“ سلیمان نے مطمئن ہو جانے کے بعد جوزف سے کہا۔

ٹو سیٹر تیز رفتاری سے روانہ ہوئی تھی۔ ایک سنسان سڑک پر پہنچ کر سلیمان نے گاڑی روک دی اور جوزف سے بولا۔ ”لا نکال.... دیکھیں کتنی آمدنی ہوئی ہے۔!“

جوزف نے ساری رقم جیب سے نکال کر سلیمان کے ہاتھ پر رکھ دی۔ یہ سارے نوٹ ہی تھے ایک ایک اور پانچ پانچ کے۔

”دو گھنٹے میں پورے ساٹھ روپے!“ سلیمان خوش ہو کر بولا۔ ”تمیں تیرے اور تمیں میرے۔!“

”ٹھیک ہے۔!“ جوزف کے دانت نکل پڑے۔

”بس اب چل رہے ہیں کرامت کے اڈے کی طرف۔ وہاں سے تجھے چرس مل جائے گی اور کل ٹھیک آٹھ بجے یہاں پہنچ جائیں گے۔ آٹھ سے بارہ تک بزنس ہو گا۔“

”بزنس....!“ جوزف کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اب ہاں.... میں اسے بزنس ہی کہتا ہوں۔ تو اپنی بھیس اُن کے ہاتھ فردخت کرتا ہے۔!“

”بھیس....!“ جوزف کے لہجے کی حیرت بدستور برقرار رہی۔

”ابے ہاں.... انہیں یاد دلاتا ہے کہ دنیا میں سب کچھ ممکن ہے ہو سکتا ہے کچھ دنوں کے بعد وہ خود بھی بھیس بھیس کرنے لگیں۔!“

”اچھا.... اچھا....!“ جوزف سر ہلا کر بولا۔ ”مگر بھیس کا کیا مطلب ہوتا....!“

”بھیس کا مطلب....!“ سلیمان اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”شاید میرا باپ بھی اس بھیس کا مطلب

”نہ بتا سکے۔“

”ٹم سالہ اپنا نیشنل لیکچر نہیں جانتا۔۔۔۔۔!“

”اچھا بس چپکا بیٹھارہ“ کہہ کر سلیمان نے گاڑی اشارت کر دی۔



قریباً ایک ہفتے سے عمران نے فلیٹ میں قدم نہیں رکھا تھا۔ رانا پیلس میں محکمے سے متعلق سال کے اختتام کا کام ہو رہا تھا۔ بعض معاملات میں اس کے باپ کا محکمہ بھی ملوث رہا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی کیپٹن فیاض سے فون پر گفتگو بھی کرنی پڑتی تھی۔

اس وقت بھی یہی کچھ ہوا تھا ایک کیس کے سلسلے میں حوالے کے طور پر فیاض کے فائل سے بھی کچھ مواد حاصل کرنا تھا۔

فون پر اس کے نمبر ڈائل کئے۔ فیاض اُس کی آواز سنتے ہی بولا۔

”کیوں ابھی کیا پتا پڑی ہے تم پر۔۔۔۔۔ مجھے تو بے حد افسوس ہوا تھا۔!“

”کس بات پر افسوس ظاہر کر رہے ہو۔!“ عمران نے پوچھا۔

”پہلے تم بتاؤ۔۔۔۔۔ کیا آج کل فاقوں کی نوبت آگئی ہے۔!“

”کیوں بے تکی ہانک رہے ہو۔ تم سے ایک ضروری کام ہے۔!“ عمران نے کہا۔

”کام کی بات پھر کرنا۔۔۔۔۔ پہلے یہ بتاؤ کہ آج کل ملازموں سے بھیک کیوں منگوا رہے ہو۔!“

”میں نہیں سمجھا۔۔۔۔۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔۔۔۔۔!“

”بندرگاہ کے علاقے کا اشار ہوٹل دیکھا ہے۔!“ فیاض نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ کیوں نہیں۔!“

”جوزف اس کے سامنے کھڑا بھیک مانگا کرتا ہے۔!“

”کیوں اڑا رہے ہو۔!“

”رات آٹھ بجے سے بارہ بجے تک جب چاہو جا کر دیکھ لو۔!“

”اگر تم سنجیدہ ہو تو مجھے دیکھنا ہی پڑے گا۔ ویسے کیا تمہیں غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔!“

”سنی سنائی بات نہیں ہے۔ میں نے پچھتم خود دیکھا ہے۔!“

”خیر۔۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔۔!“ عمران بولا۔ ”مجھے تمہارے فائل پی سکس سیونیٹ نائین سے کچھ مواد چاہئے۔“

”یار دیکھو۔۔۔۔۔ تم مجھے اس قسم کی دشواریوں میں نہ ڈالا کرو۔۔۔۔۔!“

”میں نے تمہارے اُس کیس پر کام کیا تھا۔ یہ کیوں بھول جاتے ہو۔!“

”وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ خیر کل تم لُج کے بعد آجاؤ۔۔۔۔۔!“

”شکریہ۔!“ کہہ کر عمران نے ریسپورڈ کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے فلیٹ کے نمبر

ڈائل کئے۔ لیکن بشاؤ لائن خراب تھی۔ اس لئے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ رات کے دس بجتے والے تھے۔ اُس نے سوچا کیوں نہ بندرگاہ کے

علاقے کے اشار ہوٹل ہی کی طرف جائے۔

کئی دنوں سے کانغی کارروائیوں میں سرکھپاتا رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ بندرگاہ کے علاقے کی سرد ہوا میں کسی قدر تفریح ہی ہو جائے گی اس نے گاڑی نکلوائی اور رانا پیلس سے نکل کھڑا ہوا۔

رات خوشگوار تھی اور شہر کی سڑکوں پر ابھی ٹریفک کے زور و شور کا وہی عالم تھا۔ تھوڑی دیر

بعد وہ بندرگاہ کے علاقے کے اشار ہوٹل کے قریب پہنچ گیا۔ بلاشبہ الیکٹرک پول کے قریب

ایک اندھا فقیر ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ لیکن وہ جوزف تو ہر گز نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا ساتن و توش

تھا اور نہ اس کی سی رنگت تھی۔ لیکن عمران نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا وہ بھی پیشہ ور بھکاری نہیں

معلوم ہوتا۔ اس نے اپنی گاڑی کسی قدر فاصلے پر ایک نیم تاریک گلی میں روکی تھی۔

الیکٹرک پول کے قریب کھڑا ہوا فقیر بنا ہوا اندھا لگتا تھا۔ دفعتاً ہوٹل سے نکلنے والے ایک

آدمی نے ایک ہاتھ سے اُسے خیرات دی اور دوسرے ہاتھ سے وہیں سگریٹ کا ایک پیکٹ گراتا

ہوا آگے بڑھ گیا۔ فقیر نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا اور تیزی سے جھک کر سگریٹ کا

پیکٹ اٹھایا اور اُسے جیب میں ڈال کر الیکٹرک پول کے پاس سے ہٹے لگا۔ عمران گاڑی سے اتر کر

سی سے باہر آیا اور خاصے فاصلے سے بھکاری کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ اب اندھوں کی طرح اپنی

چھڑی سے راستے کا اندازہ لگاتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ کچھ دور چلتے کے بعد وہ ایک ایسے باڑے

میں گیا جہاں بے اندازہ کاٹھ کھاڑا بکھرا ہوا تھا اور اس باڑے کا احاطہ خاردار تاروں سے کیا گیا تھا۔

اچانک عمران کو ہنسی آگئی۔ کیا حماقت ہے۔ یہاں سیکڑوں اداکار قسم کے بھکاری دن بھر کمائی

کرتے رہتے ہیں۔ آخر وہ اُس کے پیچھے کیوں چل پڑا ہے۔ یقیناً فیاض نے اُسے الو بنانے کی کوشش

کی تھی اور وہ جی جی بن گیا۔

وہ واپسی کے لئے مڑنے ہی والا تھا کہ اچانک باڑے کے اندر کئی آدمی بھکاری پر ٹوٹ پڑے اور ایک چیخ سنائے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔

دور دراز کے الیکٹرک پولز کی روشنی میں باڑے میں بس اسی حد تک اجالا تھا کہ بھکاری اور حملہ آور سب ہولے سے نظر آرہے تھے۔

عمران ”خبردار خبردار“ کی ہانک لگاتا ہوا باڑے میں داخل ہوا۔ لیکن زمین پر گرے ہوئے ایک آدمی کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔

”کیا ہوا.... کیا بات ہے۔“ عمران اس پر جھٹکا ہوا بولا۔ زمین پر پڑے ہوئے آدمی کی شکل صاف نظر نہیں آرہی تھی لیکن اُس کے حلق سے نکلنے والی خراہٹ وہ صاف سن رہا تھا۔ پھر اُس آدمی نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

”لگ.... لگ.... کاؤس.... سر.... خر.... فٹ....!“

اور اس کے بعد عمران پھر کچھ نہیں سن سکا تھا۔ اُس نے جیب سے پنسل مارچ نکالی جس کی محدود روشنی دوسرے ہی لمبے میں اجنبی کے چہرے پر پڑی۔ وہ وہی بھکاری تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا عمران وہاں تک پہنچا تھا۔ لیکن اب نہ تو وہ عمران کو اپنے بارے میں کچھ بتا سکتا تھا اور نہ حملہ آوروں کی نشاندہی کر سکتا تھا۔ کیونکہ بائیں پہلو میں دستے تک پیوست خنجر اُسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر چکا تھا۔ عمران نے بڑی پھرتی سے اُس کی جیبوں کی تلاشی لے کر قریباً ڈیڑھ سو روپے برآمد کئے لیکن سگریٹ کا وہ پیکٹ اُسے نہ ملا جس کے سلسلے میں اُس کے پراسرار رویے ہی کی بناء پر عمران نے اس کا تعاقب شروع کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ حملہ آور لٹیرے نہیں تھے۔ ورنہ اُس کی جیب میں ڈیڑھ سو روپے کیوں چھوڑ جاتے۔

آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر وہاں پولیس کی گاڑیاں پہنچ گئیں کیونکہ عمران نے ایک پبلک فون بوتھ سے ہومی سائیڈ برانچ کو اس واقعے کی اطلاع دے دی تھی۔ لیکن کال گتنام ہی رہنے دی تھی اور خود سید حافیاض کے بنگلے پر جاہم کا تھا۔ اسے سوتے سے جگا کر اطلاع دی کہ اس کے مذاق نے بلا آخر کون سا رخ اختیار کر لیا۔

”وہ کچھ بھی ہو....“ فیاض بہتا کر بولا۔ ”میں نے تمہیں غلط اطلاع نہیں دی۔ تین راتیں گذریں میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے وہیں بھیک مانگتے دیکھا تھا۔ تم نے اُس سے بھی پوچھ گچھ

کی یا نہیں۔!“

”نہیں.... اب کروں گا....!“

”لیکن اُس دوسرے بھکاری کا قتل....!“

”ہومی سائیڈ والوں سے رابطہ قائم رکھنا ہو سکتا ہے وہ کیس تمہارے ہی گلے پڑ جائے۔“ عمران بولا۔

”دیکھا جائے گا۔!“ فیاض نے لا پرواہی سے کہا۔ ”لیکن جوزف کا بھیک مانگنا حیرت انگیز ہے۔!“

”قطعاً نہیں....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اُسے شراب تو اب ملتی ہی نہیں۔ کسی کے چکر میں

پڑ کر چرس شروع کی تھی۔ میں نے یومیہ اخراجات والی رقم دینا بند کر دی۔ ہو سکتا ہے نشے کی طلب ہی بھیک منگوا رہی ہو۔ اب میں دیکھوں گا۔!“

”تو وہ سگریٹ کا پیکٹ اُسکے پاس سے برآمد نہیں ہوا تھا؟“ فیاض نے پُر تفر لہجے میں پوچھا۔

”نہیں.... اور اُس نے مجھے کچھ بتانا بھی چاہا تھا لیکن زندگی نے وفاتہ کی۔!“

”کیا بتانا چاہا تھا....!“

”خدا جانے.... بس زبان سے لکنت کے ساتھ نکلا تھا۔“ لگ.... لگ.... کاؤس....!“

”بڑی عجیب داستان سنائی ہے تم نے۔!“ فیاض جہاں لے کر بولا۔ ”لیکن اس وقت نہ میں چائے پیش کر سکوں گا اور نہ کافی۔!“

”شکریہ.... اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کل میں لُنج کے بعد تمہارے آفس آ رہا ہوں۔!“

”کیا میں ڈی جی صاحب کے علم میں لے آؤں کہ تم وہ فائل دیکھنا چاہتے ہو۔!“

”یار فضول باتیں نہ کرو.... مجھے جلدی ہے۔ ورنہ وزارت خارجہ براہ راست تمہارے ڈی جی صاحب سے رابطہ قائم کر لیتی۔!“

”بس تو پھر تھرو پروپر چینل ہی رکھو یہ معاملہ....!“

”فیاض....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تمہارا تبادلہ کہیں اور بھی ہو سکتا ہے۔!“

”مجھے دھمکی دے رہے ہو۔!“

”نہیں پیارے یہ کہہ رہا ہوں کہ پھر وہاں میں تمہیں کیسے ملوں گا....؟“

”چلو دفع ہو جاؤ.... مجھے نیند آرہی ہے۔ کل لُنج کے بعد....!“

”اوکے.... بانی بانی....!“ کہتا ہوا عمران باہر آ گیا۔ اب اُسکی گاڑی فلیٹ کی طرف جارہی تھی۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے بارہ بجے تھے۔ ڈھائی گھنٹوں میں اتنا کچھ ہو گیا تھا۔
فلیت کی کوئی گھڑی روشن نظر نہ آئی۔ اس کا مطلب تھا کہ سب سو رہے ہیں۔ اس نے کال بیل
کا بٹن دبایا اور دباتا ہی چلا گیا۔ گھنٹی شور قیامت والی تھی۔ شائستگی سے ایک خاں دھن بجانے والی گھنٹی
نہیں تھی۔ اس لئے جلد ہی اندر سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے سبھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھے ہوں۔
پھر دروازے کے قریب ہی سے گلرخ کی غصیلی آواز سنائی دی۔ ”کون ہے!“
”دروازہ کھول۔۔۔!“ عمران گرج کر بولا۔

”ارے صاحب جی۔۔۔!“ کہہ کر گلرخ نے دروازہ کھول دیا اور سر پر دوپٹہ ڈالنے لگی۔
”جوزف کہاں ہے۔۔۔؟“ عمران نے اندر قدم رکھتے ہی پوچھا۔
”اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔!“

”اور سلیمان۔۔۔!“
”جی میں کچھ نہیں جانتی۔ اول درجے کا آوارہ ہو رہا ہے۔ تین تین بجے تک گھر سے غائب
رہتا ہے۔!“
”تجھے یقین ہے کہ جوزف اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔!“
”جی ہاں۔۔۔!“

”ہوں۔۔۔۔۔ خیر میں دیکھتا ہوں۔!“ عمران نے کہا اور جوزف کے کمرے کی طرف بڑھا۔ گلرخ
پیچھے پیچھے تھی۔ عمران نے جوزف کے کمرے کے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھل گیا۔
لائٹ جلائی۔ جوزف بستر پر اوندھے منہ پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ عمران لائٹ بجھا کر پلٹ آیا۔ گلرخ
سنگ روم میں بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچی تھی۔ عمران اس کی طرف مڑ کر بولا۔ ”پچھلے دنوں یہ
کیا رات گئے تک غائب رہتا تھا۔!“

”جی ہاں۔۔۔۔۔ بیٹھ جائیے۔۔۔۔۔ سلیمان تو کہہ رہا تھا کہ سب کچھ صاحب کے حکم سے ہو رہا
ہے۔ لیکن آپ اس طرح۔۔۔۔۔!“

”کیا ہو تا رہا تھا صاحب کے حکم سے۔!“ عمران نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”پرسوں رات تک سلیمان اسے اپنا ایک پہنا پر انا شلو اور سوٹ پہنا کر کہیں لے جاتا تھا اور ایک
ڈیزل بجے سے پہلے دونوں کی واپسی نہیں ہوتی تھی اور دونوں واپسی پر اتنے خوش نظر آتے تھے

جیسے جیتے جی جنت میں داخل ہو جانے کا مژدہ مل گیا ہو۔!“
”ہوں۔۔۔۔۔!“ عمران سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر پوچھا۔ ”توکل اور آج یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔!“
”جی نہیں۔۔۔۔۔ لیکن سلیمان توکل بھی غائب رہا تھا اور آج بھی غائب ہے۔ آپ کی ٹو سیٹر
لئے پھر تا ہے۔!“

”پیٹرول کے دام کہاں سے آتے ہیں۔!“
”میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔ آج کل سودا بھی میں خود ہی لاری ہوں۔ ورنہ خیال ہوتا کہ شاید اسی
میں کاٹ کپٹ کرتا ہو۔!“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ اب تو جا کر سو جا۔ میں جوزف کو جگاتا ہوں۔!“
”تو کیا صاحب۔۔۔۔۔ سلیمان غلط کہتا تھا۔!“
”فکر نہ کر۔۔۔۔۔ اپنے کمرے میں جا۔ اگر وہ مرد دوس دوران میں آگیا تو اسکی بھی مرمت ہوگی۔!“
”کیا میں آپ کے لئے کافی بناؤں صاحب۔۔۔۔۔!“

”اچھا بنا دے۔۔۔۔۔!“ عمران نے کہا اور اٹھ کر پھر جوزف کے کمرے میں آیا۔ وہ شاید چرس کے
دم لگا کر سویا تھا۔ ورنہ اتنی گہری نیند نہیں ہوتی تھی کہ کمرے کی لائٹ جلتی اور وہ فوراً ہی بیدار نہ
ہو جاتا۔ عمران نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا تھا اور وہ خوفزدہ انداز میں عمران کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔
”تو پوری طرح ہوش میں ہے یا نہیں۔!“

”بب۔۔۔۔۔ بالکل ہوش میں ہوں باس۔۔۔۔۔!“
”بستر سے اٹھ کر ادھر کھڑا ہو جا۔!“ عمران نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔
”بب۔۔۔۔۔ بہت اچھا۔۔۔۔۔!“
اس نے سلم کی قلیل میں دیر نہیں لگائی تھی۔ عمران چند لمحوں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تو

میری بے عزتی کرا تا پھر رہا ہے۔!“
”نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ باس۔۔۔۔۔!“

”جھوٹ بول رہا ہے۔!“
”میں بے موت مر جاتا باس۔۔۔۔۔ تم نے یومیہ خرچ بھی تو بند کر دیا ہے۔!“
”چرس تجھے موت کے گھاٹ اتار دیتی اس لئے بند کر دیا تھا۔!“

”اس کے پاس بھی پیسے ہیں۔ عیش کرتا پھر رہا ہو گا.... اور ہاں وہ خود بھی اس معاملے میں پریشان ہے۔ کل وہ پھر اشار ہوٹل کی طرف یہ دیکھنے گیا تھا کہ اب اس اڈے کو کس طرح استعمال کیا جا رہا ہے۔ واپسی پر اس کی حالت عجیب تھی۔ کہہ رہا تھا کہ وہی شخص پچھلے پرانے کپڑے پہنے کھڑا وہاں بھیک مانگ رہا تھا جس نے اپنی گاڑی میں اُسے لے جا کر ایک ہزار کی ادائیگی کی تھی!“

عمران اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ اتنے میں گھرغ نے باہر سے پوچھا۔

”کیا کافی ہیں لے آؤں صاحب....!“

”نہیں.... سنگ روم میں رکھو میں آرہا ہوں۔“ عمران نے جواب دیا اور پھر جوزف کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”یعنی وہ اسے اپنی گاڑی میں اپنے گھر لے گیا تھا!“ اس نے سوال کیا۔

”ہاں ہاں... سلیمان کہہ رہا تھا کہ وہ اسی علاقے کی کسی بڑی عمارت کے ایک فلیٹ میں رہتا ہے۔“

”سلیمان کی واپسی کب تک ہو گی۔!“

”پتا نہیں ہاں....! وہ تمہارا ایک سوٹ پہن کر ٹویسٹر میں گیا ہے۔!“

”آج شام میں اس کی کھال گراؤں....!“

”نہیں ہاں.... اس بار اُسے بھی معاف کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ اس کی باتوں میں نہیں آؤں گا۔!“

”پڑا رہ چپ چاپ۔!“ عمران اُس کے بستر کی طرف اشارہ کر کے غرایا اور اُسے وہیں چھوڑ کر سنگ روم میں واپس آ گیا جہاں گھرغ کافی سمیت اس کی منتظر تھی۔

”صاحب.... کیا سلیمان سے کوئی بڑی خطا سرزد ہو گئی ہے۔!“ گھرغ نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ عمران نے کہہ۔ ”مجھ سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ اُسے قابو میں رکھے۔ کیسی عورت ہے تو۔ ایک نیولین کی بیوی تھی کہ سال میں ایک آدھ تھپڑ نیولین کے ضرور رسید کر دیتی تھی۔!“

”میں کینوں کے منہ نہیں لگتی۔ کبھی کوئی بات سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں تو سب سے پہلے میرے میٹرک پاس ہونے کی تذلیل کرتا ہے۔ پھر اپنے کسی دادا کی بات شروع کر دیتا ہے جو

بہت ہی خطرناک قسم کا چودھری تھا۔!“

عمران پُر تفکر انداز میں کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ دیوار کی گھڑی ڈیڑھ بج رہی تھی۔

”نئے کے بغیر زندگی موت ہی لگتی ہے ہاں....!“

”تو بھیک مانگتا تھا....!“

”سس.... سلیمان نے....!“

”تو آخر سلیمان کا اتنا سعادت مند کیوں ہو رہا ہے۔!“

”اس نے کہا تھا کہ ختمیش خبر نہیں ہونے پائے گی۔ اسلئے دور دراز علاقے میں لے گیا تھا۔!“

”بندر گاہ کے اشار ہوٹل کے قریب....!“

”ہاں.... ہاں....!“

”دیکھ مجھے خبر ہو گئی کہ نہیں....!“

”میں اس سے کہہ رہا تھا لیکن وہ نہیں مانا کیونکہ اُس کے اپنے کمیشن کا بھی تو معاملہ تھا۔ چار گھنٹے میں دو ڈھائی سو کماتا تھا۔ آدھا خود لیتا تھا اور آدھا مجھے دیتا تھا۔ پھر ایک اور آدمی بیچ میں آگودا....!“

”کیا مطلب....!“

”ہاں.... ہاں.... اُس نے وہ جگہ خریدنے کی پیش کش کی اور سلیمان نے ایک ہزار میٹر سودا طے کر لیا۔ پانچ سو اُس کے اور پانچ سو میرے۔ اس وقت میرے پاس تیرہ سو روپے ہیں۔

سلیمان کہہ رہا تھا کہ ابھی انہیں خرچ کر د پھر میں اور کوئی جگہ تلاش کروں گا۔!“

”ہوں....!“ عمران طویل سانس لے کر پُر تفکر انداز میں چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ اوہ

جوزف گڑگڑا رہا تھا۔ ”معاف کر دو ہاں اب چاہے مریجاؤں ایسی حرکت نہیں ہو گی۔ لیکن سلیمان شیطان کی طرح ورغلاتا ہے اور میں خود کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگتا ہوں۔!“

”خیر کوئی بات نہیں.... ہاں تو اُس نے وہ ایک ہزار وہیں کے وہیں ادا کر دیئے تھے۔!“

”نہیں ہاں.... مجھے وہ معاملہ بھی کسی قسم کا چکر ہی معلوم ہوتا ہے۔!“

”کیا مطلب....!“

”وہ سلیمان کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر گھر لے گیا تھا اور وہیں ادائیگی کی تھی۔!“

”اوہ.... تو سلیمان اس کا گھر جانتا ہے۔!“

”ہاں ہاں....!“

”آج وہ کہاں گیا ہے۔!“

گلرغ نے کہا۔ ”آپ نے اس قدر سر چڑھا رکھا ہے کہ اب اس کا جو جی چاہتا ہے کرتا پھرتا ہے۔ آپ کے کپڑے پہنتا ہے۔ گاڑی استعمال کرتا ہے۔!“

”بے عزتی تو نہ کرائے میری۔ پتا نہیں کیا کیا کرتا پھرتا ہے۔ اچھا جب وہ آئے تو اپنے کمرے میں چلی جائیو.... یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ تیری موجودگی میں اُس پر ہاتھ چھوڑوں۔!“

”خدا کی پناہ.... آپ ماریں گے اسے آخر کتنا بڑا جرم اُس سے سرزد ہوا ہے۔!“

”دیکھا.... ابھی سے اُس کی ہمدردی کی باتیں کرنے لگی۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”یہ بات نہیں ہے صاحب جی.... ابھی تک تو یہی دیکھتی آرہی ہوں کہ اس سے بڑے سے بڑا نقصان ہو جائے پھر بھی آپ نے کبھی اُسے آنکھیں تک نہیں دکھائیں۔ لیکن آج مار پیٹ کی بات کر رہے ہیں۔!“

”وہ کم بخت ان دنوں جوزف سے بھیک منگواتا رہا ہے۔!“

”ارے نہیں....!“ گلرغ بے ساختہ ہنس پڑی اور ہنسی ہی چلی گئی۔ جیسے اچھو ہو گیا ہو۔

”تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔!“ عمران بگڑ کر بولا اور گلرغ منہ میں دوپٹہ ٹھونس ٹھونس لڑہائی روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ عمران آنکھیں نکالے اُسے گھورتا رہا۔ لیکن انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خود بھی محظوظ ہو رہا ہو۔

”اور یہی نہیں....!“ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”جوزف سے اپنا کمیشن بھی وصول کرتا تھا۔ نفٹی نفٹی پر بات ٹھہری تھی۔!“

”خدا سمجھے....!“ گلرغ کا موڈ ایک دم خراب ہو گیا اور وہ دانت پیس کر بولی۔ ”کل میرے لئے امی ٹیشن کا ایک سیٹ لایا تھا بھیک کے پیسوں سے۔!“

”اب تو ہی دیکھ۔ میں نہیں نیٹوں گا تو اب تو خود مارے گی اسے۔ پٹھانی بھی تو ہے تو۔!“

”بس صاحب جی.... اب میں دیکھ لوں گی اُسے۔!“

”اس وقت نہیں.... کل صبح.... اب جا کر چین سے سو جا۔ میں اُس کا انتظار کروں گا۔!“

”آپ کہتے ہیں تو چلی جاتی ہوں۔ ورنہ میرا جی تو چاہتا ہے کہ جیسے ہی وہ آئے۔!“

”نن.... نہیں بس....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر جلدی سے بولا۔ ”اس وقت نہیں اس وقت تو

بس اس سے بات کروں گا۔!“

وہ کافی کے برتن سمیٹ کر چلی گئی اور عمران آرام کر سی پر لیٹا بند دروازے کو گھورتا رہا۔ ٹھیک سوادو بجے کسی نے پہلے تو کھنٹی بجائی پھر دروازہ پیٹنے لگا۔

عمران نے اٹھ کر ایک دم دروازہ کھول دیا۔ سلیمان سامنے کھڑا تھا۔

”ارے باپ رے۔!“ کہہ کر غالباً وہ واپسی کے لئے مڑا ہی تھا کہ عمران نے اُس کی گردن

دبوچ کر جھککا جو دیا تو وہ چاروں خانے چت کمرے میں آگرا۔

جوزف جو شاید جاگ ہی رہا تھا سنگ روم میں آکھڑا ہوا اور گر گڑا نے لگا۔ ”خدا کے لئے

معاف کر دو باس.... اب ایسی حرکت نہیں ہوگی۔!“

”تو جا اپنے کمرے میں ورنہ جان سے مار دوں گا۔!“ عمران غرایا.... اور وہ چپ چاپ کمرے

سے چلا گیا۔

”اب آپ اٹھئے محترم....!“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

”مم.... میں کیا کرتا....“ سالادماغ چاٹتا رہتا تھا۔ میرے پاس کہاں دھرے ہوتے ہیں پیسے

کہ اُسے چرس پینے کو دیتا۔!“

”درست فرمایا۔ اب اٹھ بھی جائیے محترم کیونکہ جس کے ہاتھ آپ نے بھیک کا وہ اڈہ

فروخت کیا تھا آج پونے گیارہ بجے قتل کر دیا گیا۔!“

”جج.... جی کیا مطلب....؟“ سلیمان بوکھلا کر اٹھ گیا۔

”اور آپ رقم وصول کرنے کے لئے اُس کے ساتھ اس کے گھر بھی گئے تھے۔ وہاں لوگوں

نے آپ کو اس کے ساتھ دیکھا بھی ہوگا۔!“

”نن.... نہیں کوئی نہیں تھا.... شاید وہ اپنے فلیٹ میں تہا رہتا تھا۔ ل.... لیکن وہ مارڈالا

گیا۔ کک.... کیوں.... مارڈالا گیا۔!“

”جب اچھی حیثیت کے لوگ بھیک مانگتے لگتے ہیں تو یہی ہوتا ہے۔ بہر حال اب تو میرے

ساتھ چلے گا۔!“

”ضیض.... ضرور....!“

”تجھے یقین ہے کہ جس نے اڈہ خریدا تھا وہ خود ہی بھیک مانگتا تھا۔!“

”جی ہاں.... کل میں خاص طور پر اُدھر گیا تھا.... اور میں نے اسی کو بھیک مانگتے دیکھا تھا۔!“

”وہ بھی جوزف ہی کی طرح اندھا بنا ہوا تھا۔“ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں.... بالکل اسی طرح.... اور جوزف ہی کے انداز میں ہمیں بھی کرتا تھا۔!“

”میں نے دیکھا تھا....“ عمران کے لہجے میں بیزاری تھی۔

”تنت.... تو کیا فوراً چلوں....!“

”فوراً....!“

”گلرنگ کو تو نہیں معلوم ہوا....!“

”جب میں جوزف کی خبر لے رہا تھا تو اُسے بھی معلوم ہی ہو گیا ہو گا۔!“

”بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ اب وہ جوزف سے سارا کچا چٹھا معلوم کر کے خواہ مخواہ سر ہو گی۔!“

”فکر نہ کر.... دیکھا جائے گا۔“ عمران نے کہہ کر جوزف کو آواز دی۔

وہ فوراً دوڑا آیا۔ عمران نے اس سے کہا۔ ”ہم باہر جا رہے ہیں تو دروازہ بند کر لے۔!“

جوزف نے بے حد سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

باہر نکل کر سلیمان نے عمران سے پوچھا۔ ”تو آپ مجھے کہاں لے جائیں گے۔!“

”کیا تو مجھے اس کا فلیٹ نہیں دکھائے گا۔!“

”جی بہت اچھا.... لیکن آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے یا نہیں....!“ سلیمان گڑ گڑایا۔

”اللہ پاک مناسب سمجھے گا تو معاف کر دے گا۔ ورنہ ایک عدد جو رو تو دے ہی رکھی ہے تجھے

اس نے۔ اچھا چل ٹو سیٹر میں بیٹھ کر آگے چل۔ میں دوسری گاڑی میں چلوں گا۔!“

”جی بہت اچھا۔!“



مقتول کا فلیٹ مقفل تھا۔ عمران بے ضابطہ طور پر قفل کھول کر فلیٹ میں داخل ہوا۔ سلیمان کو

اُس نے واپس کر دیا تھا۔

فلیٹ کی تاریکی رفع کرنے کے لئے اُس نے وہاں کی لائٹ نہیں جلائی تھی۔ اس کی بجائے

پنسل نارچ نکالی اور بہت ہی محتاط انداز میں تلاشی لینے لگا۔ کسی چیز کو ہاتھ لگاتا بھی تو فوراً اُسے

رومال سے صاف کر دیتا۔ میز پر رکھی ہوئی تصویر بلاشبہ مقتول ہی کی تھی۔

”کچھ کاغذات ہاتھ لگے۔ جن کی رو سے مقتول کا نام شہاب افضل تھا۔ اس کی تصدیق اس

شیانہ کارڈ سے بھی ہو گئی جو ایک چرمی بینڈیک میں رکھا ہوا ملا تھا۔ لیکن کاغذات اُس کے پیشے کی

نشاندہی نہ کر سکے۔!“

”دو کمروں کی تلاشی لینے کے بعد وہ خواب گاہ میں پہنچا۔ لیکن ابھی یہاں کی چھان بین شروع

بھی نہیں کی تھی اُن کمروں میں کسی کی آہٹ ہوئی۔ جن کی تلاشی وہ کچھ دیر پہلے لیتا رہا تھا۔!“

وہ بڑی پھرتی سے اُس بھاری پردے کے پیچھے چلا گیا جو محض آرائش کے لئے مغربی دیوار پر

پھیلا ہوا تھا۔ نیا آنے والا اس کی طرح محتاط نہیں تھا۔ اس نے کمروں میں روشنی کر دی تھی۔

عمران سانس روکے کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد خواب گاہ کا بلب بھی روشن ہو گیا اور ایک شخص نظر

آیا۔ خاصاً آواز اور توانا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پیشہ ور قسم کا مکا بازی پہلوان ہو۔ عمران جہاں تھا وہیں

کھڑا رہا۔ نو وارد شائد اس فلیٹ کی تلاشی ہی لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بستر پر بیٹھ گیا اور سائینڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون پر کسی کے نمبر ڈائل

کرنے لگا۔ پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”دارا بول رہا ہے۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن بڑی عجیب

بات ہے کہ فلیٹ مقفل نہیں تھا۔ ہینڈل گھماتے ہی دروازہ کھل گیا۔“ پھر خاموش ہو کر شائد

دوسری طرف کی بات سننے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”نہیں اس قسم کے آثار بھی نہیں ہیں کہ

کوئی مجھ سے پہلے پہنچ کر تلاشی لے چکا ہو۔ بہت بہتر ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔!“

ریسیور کر ڈیل پر رکھ کر وہ اٹھ گیا اور خواب گاہ کی روشنی بند کر تا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

عمران پردے کے پیچھے سے برآمد ہو چکا تھا۔ دوسرے کمرے کی روشنی بھی بند کر دی گئی اور

پھر جیسے ہی وہ اجنبی فلیٹ سے باہر نکلا عمران بھی نکاسی کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس اجنبی کا تعاقب کر رہا تھا جس نے کچھ دیر پہلے فون پر کسی کو اپنا نام دارا

بتایا تھا۔ اُس کی موٹر سائیکل تیز رفتاری سے مسافت طے کر رہی تھی۔ لیکن اس وقت سڑکوں پر

ٹریفک کی کمی کی بناء پر عمران کو بھی تعاقب جاری رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد عالمگیر روڈ کی ایک عمارت کے سامنے موٹر سائیکل رک گئی اور اجنبی اتر کر

عمارت کے اُس حصے میں داخل ہو گیا۔ جس پر ”دارا کافی ہاؤس“ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ عمران نے سیٹی

بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکڑے سڑک کی دوسری جانب اس نے اپنی گاڑی کھڑی کی

تھی۔ تھوڑی دیر بعد کافی ہاؤس سے ایک بیرانکا اور موٹر سائیکل کو عمارت کے اندر لے گیا۔

قریباً ساڑھے تین بجے عمران رانا پیلس پہنچ سکا تھا۔ سب سے پہلے اس نے فون پر اپنے ماتحتوں کو کچھ ضروری ہدایات دیں پھر سونے کی تیاری کرنے لگا۔

گھڑی کے الارم نے ٹھیک سات بجے اُسے بیدار کر دیا تھا۔ ناشتہ کئے بغیر وہ رانا پیلس سے نکل کھڑا ہوا۔

سیدھا اپنے فلیٹ پہنچا۔ یہاں خلاف توقع بالکل سناٹا تھا۔ جوزف نے دروازہ کھولا لیکن اُس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

عمران کو دیکھ کر اس نے عجیب انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ عمران نے سنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اونچی آواز میں جوزف سے کہا۔ ”گلرغ سے کہہ دے کہ ابھی میں نے ناشتہ نہیں کیا۔“

جوزف تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ پھر جلد ہی واپس بھی آگیا اور عمران کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ ”یہاں تو زبردست ہنگامہ ہو گیا باس....!“

”کیا ہوا....؟“

”دونوں کے درمیان زبردست کشمی ہوئی۔ گلرغ نے اُسے نوچ کھسٹ کر رکھ دیا۔“

”لیکن سلیمان ہے کہاں....!“

”کمرے میں گلرغ نے باہر سے قفل ڈال دیا ہے۔ کتنی ہے کہ کم از کم پندرہ دن تک بند رکھوں گی۔“

”یہ ہوئی ہے نابات....!“ عمران خوش ہو کر بولا۔

”اس سے بہتر تو یہی ہوتا باس کہ تم خود اُسے مار پیٹ لیتے۔ عورت کے ہاتھوں تو نہ ذلیل ہوتا۔“

”خدا کا شکر ادا کر کہ تو شادی شدہ نہیں ہے۔ ورنہ تجھے تو زندہ ہی دفن کر دیتا۔“

”نہیں باس.... یہ اچھا نہیں ہوا۔ بھلا کوئی بات ہے کہ بیوی شوہر پر حملہ آور ہو۔“

”بیوی تو شوہر کو گلدھے گاڑی میں جوتے گی۔ بس ذرا اکیسویں صدی شروع ہونے دے۔“

”میں بہت مغموں ہوں باس....!“

”نکواس بند کر اور خاموشی سے ایک طرف بیٹھ ورنہ مجھے غصہ آگیا تو کھڑے گھاٹ تیری بھی شادی ہو گی۔“

جوزف منہ پھلائے ہوئے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد گلرغ ناشتے کی ٹرے لے

آئی اور جوزف سے بولی۔ ”تیرا ناشتہ کچن میں لگا دیا ہے۔ وہی جا کر کھالے۔“

لیکن جوزف اپنی جگہ سے نہ ہلا اور گلرغ نے شکایت آمیز لہجے میں عمران سے کہا۔ ”یہ خواہ زادہ مرا جارہا ہے۔ اس کے لئے۔“

”کیوں نہ مرے۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”اس اندھے کی لاشی تو وہی بنا کر تاتھا۔!“

پھر جوزف سے غرا کر بولا۔ ”جاتا کیوں نہیں۔!“

”سلیمان بھوکا ہے باس....!“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”دیکھا آپ نے....!“ گلرغ بولی۔ ”اُسے تو میں بھوکا مار دوں گی۔!“

”جاتا ہے یا اٹھوں میں....!“ عمران آنکھیں نکال کر غرایا۔

جوزف بوکھلا کر کمرے سے نکل گیا اور عمران مسکرا کر بولا۔ ”گلرغ تو فکر نہ کر یہاں وہی ہوگا

و تو چاہے گی۔!“

”ارے صاحب.... میں نے بڑی شرافت سے پوچھا تھا۔ بس الف ہو گیا۔ لگا اول فول بکنے

برمجھے بھی غصہ آگیا۔!“

”کمرے میں کیسے بند کیا تھا....!“ عمران نے اظہار مسرت کرتے ہوئے پوچھا۔

”لو جھٹکر جا کر لیٹا ہی تھا کہ میں نے باہر سے تالا ڈال دیا اور خود یہاں سنگ روم میں آکر سو گئی۔“

”شباباش لیکن اب کیا پروگرام ہے۔!“

”بند رکھ کر بھوکا مار دوں گی۔!“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں کفن کے لئے لٹھا وغیرہ خرید لاؤں۔!“

”ارے نہیں صاحب ایسا بھی کیا....!“ وہ گڑبڑا کر بولی۔

ٹھیک اُسی وقت سلیمان نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے پٹینا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی دھاڑتا

ہا۔ ”دیکھ گلرغ بات نہ بڑھا۔ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ یہ غلط ہے کہ میں نے تیرے لئے کوئی

چیز اس رقم سے خریدی تھی۔!“

”اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ تجھ سے معافی مانگ رہا ہے۔!“ عمران آہستہ سے بولا۔

”کچھ بھی ہو.... کم از کم آج دن بھر تو بند ہی رکھوں گی۔!“

”اُس کے بعد اگر اس نے پھر حملہ کر دیا تو۔“

”مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہے۔!“ گلرغ اکڑ کر بولی۔

”اندازہ ہے تجھے۔!“

”بالکل اندازہ ہے... تجھی تو اس نے بات نہیں بڑھائی تھی۔ چپ چاپ کمرے میں جا لینا تھا۔!“

”بہر حال اب یہ قصہ ختم کر دے۔ ورنہ بات گھر سے نکل جائے گی اور نہ صرف سلیمان بلکہ جوزف بھی کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔!“

”وہ کیسے صاحب.... ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔!“

سلیمان پھر چیخنے لگا۔ لیکن وہ اُس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے جواب طلب نظروں سے عمران ہی کو دیکھتی رہی۔

”بات بڑھ گئی ہے... بہر حال کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ حالات اس طرح بگڑ جائیں گے۔!“

”کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔!“

”بہت بڑی.... اس سلیمان کے بچے نے بھیک کا وہ اذہ جس کے ہاتھ فروخت کیا تھا اُسے کل رات کسی نے قتل کر دیا۔!“

”ارے نہیں....!“ گرج بولکھلا گئی۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”آخر یہ کیا کیا کرتا رہا ہے۔ اس سے بھیک بھی منگوائی اور بھیک کا اذہ بھی فروخت کر دیا۔!“

”ہاں بھی کچھ ہوا ہے۔ لہذا اب تجھے خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔ کسی سے بھی اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔!“

”میں سچ سچ اُس کی دشمن تھوڑا ہی ہوں۔!“ وہ گلوگیر آواز میں بولی اور جیب سے کتنی نکال کر عمران کے سامنے ڈال دی۔

”بس اب تو جا۔ میں دیکھ لوں گا۔!“ عمران نے کہا۔ ”اگر جوزف ناشتہ کر چکا ہو تو اُسے بھی ادھر ہی بھیج دیجو....!“

گرج چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد جوزف کمرے میں داخل ہوا۔

”بیٹھ جا....!“ عمران نے قریب کی کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا.... اور اُسے بھی اس قتل کے بارے میں بتانے لگا۔

”میں نے تو پہلے ہی کہا تھا باس کہ کوئی چکر ضرور ہے۔!“ جوزف سر ہلا کر بولا۔

”بہر حال.... اب تم لوگ اس سلسلے میں بالکل خاموشی اختیار کرو گے۔!“

”ارے تو میں کس منہ سے کسی کو بتاؤں گا کہ میں بھیک مانگتا رہا ہوں۔!“

”اچھا.... تو یہیں بیٹھ....!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں سلیمان کو لارہا ہوں۔!“

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور عمران نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کیپٹن فیاض کی آواز آئی۔

”خیریت....!“ عمران ماؤتھ پیس میں بولا۔

”سنو... جوزف سے پوچھو کہ اس نے وہ اذہ کیوں چھوڑا تھا اور اسکی جگہ دوسرا آدی کیسے پہنچا۔!“

”جوزف کچھ نہیں جانتا۔ سن کر ہنس رہا تھا۔ بھلا وہ کیوں بھیک مانگنے لگا۔!“

”تو پھر میں جھوٹا ہوں....!“ فیاض کی غصیلی آواز آئی۔

”نہیں تمہیں غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ چلو میرے ساتھ سیاہ فاموں کی بستی میں تمہیں جوزف کے کئی ہمشکلوں سے ملا دوں گا اور پھر اگر تم اسے جوزف ہی سمجھتے تھے تو تمہیں اُسے ٹوکنا بھی چاہئے تھا۔ تم اُس کے لئے اجنبی تو نہیں تھے۔!“

”اگر تمہیں یقین نہیں تھا تو کیوں دوڑے گئے تھے دیکھنے کے لئے۔!“

”بس حماقت ہی سرزد ہوئی تھی۔!“ عمران نے کہا۔ ”ہونا یہ چاہئے تھا کہ پہلے فلیٹ میں جا کر دیکھ لیتا۔ بہر حال جب میں وہاں سے واپس ہوا تھا تو جوزف بے خبر سو رہا تھا۔!“

”کوئی نہ کوئی پھر ہے ضرور.... خواہ تم کتنی ہی باتیں بناؤ....!“

”بس تو پھر ثابت کرو کہ وہ جوزف ہی تھا....!“

”اسی مضبوطی کی بناء پر تو اچھل کود رہے ہو....!“

”مقتول کے بارے میں کچھ معلوم ہوا....!“

”نہیں کچھ بھی نہیں.... آس پاس کے لوگ لاش کی شناخت نہیں کر سکے۔!“

”خیر تو پھر میں لُج کے بعد آ رہا ہوں....!“ عمران نے کہا۔

”مجھے افسوس ہے۔!“ فیاض دوسری طرف سے بولا۔ ”تھرو پر اپر چیمبل آؤ میں نجی طور پر فائل تمہیں نہیں دے سکتا۔!“

”اچھی بات ہے.... پیارے فیاض.... اب خدا ہی جانے کہ کتنی ٹھوکریں تمہارے مقدر بس لکھی ہوئی ہیں۔!“

ہلا کر بولا۔ ”تو خود ہی نہ چھیڑ لو گلرخ کو!“

”میں تو اب اُسے جوتے کی نوک پر بھی نہیں ماروں گا۔ جہنم میں جائے!“
”یہ بھی ٹھیک ہے!“ عمران سر ہلا کر رہ گیا۔



عمران گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور صفدر اُس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ گاڑی بندرگاہ کے علاقے کی طرف جارہی تھی۔ دفعتاً صفدر بولا۔ ”مجھے ابھی تک مقتول کا نام نہیں معلوم ہو سکا!“

”میرا خیال ہے کہ جو نام میں جانتا ہوں وہ بھی اُس کا اصل نام نہیں تھا۔“
”کیا مطلب....!“

”اُس کے فلیٹ میں اُس کے جو کاغذات ملے تھے جعلی تھے۔ انہی کاغذات میں اس کا نام شہاب افضل تحریر تھا ایک شناختی کارڈ بھی ہاتھ آیا تھا۔ اُس پر اس کی تصویر تھی اور نام شہاب افضل درج تھا۔“

”آپ آخر کس نتیجے پر پہنچے ہیں!“

”حالات کے تحت میں یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوں کہ وہ مجرموں کی کسی پارٹی میں خود بھی شریک ہو کر اُن کے جرائم کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجرم اُس کی اصلیت سے باخبر ہو گئے۔ اس نے سلیمان سے بھیک کے اڈہ کا سودا اپنے بھکے کی کسی رقم سے نہ کیا ہو گا۔ بلکہ وہ رقم مجرموں ہی کے جیب سے نکلی ہو گی۔“

”آپ نے دارا کا کافی ہاؤز کے مالک دارا کا بھی ذکر کیا تھا۔ اُسے کس خانے میں فٹ کریں گے۔“
”وہ بھی کسی کے لئے کام کر رہا ہے۔ کیونکہ فون پر اُس نے کسی کو وہاں اپنی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ گفتگو کا انداز نیاز مندانہ تھا۔“

”اُس کے لئے کیا کر رہے ہیں....؟“

”فی الحال میں اُسے نہیں چھیڑنا چاہتا۔“

”سوال تو یہ ہے کہ اس کا ہمارے محکمے سے بھی کوئی تعلق ہو سکتا ہے یا نہیں۔“

”فی الحال یہ میرا نجی معاملہ ہے۔“

”اور ہمیں ایکس ٹو کی طرف سے حکم ملا ہے کہ ہم سب آپ سے تعاون کریں اور آپ اسے نجی معاملہ قرار دے رہے ہیں۔“

”ایکس ٹو جانتا ہے کہ میں بھی اس کے لئے کیا کیا کر سکتا ہوں۔“

”آپ کا معاملہ ہی آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ کبھی آپ ایکس ٹو پر احسان کرتے ہیں اور کبھی باقاعدہ طور پر اُس کے ماتحت بن کر کام کرتے ہیں۔“

”جب مجھے اس بات کا خدشہ ہوتا ہے کہ دوسری سرکاری لجنسیاں میرے کام میں خلل انداز ہوں گی۔ تب میں باقاعدہ طور پر اُس کا ماتحت بن جاتا ہوں اور وزارت خارجہ مجھے پورا پورا تحفظ دیتی ہے۔“
”خیر.... مجھ سے تو آپ نے کہہ دیا ہے کہ یہ آپ کا نجی معاملہ ہے لیکن اور کسی سے نہ کہئے گا۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔“

”تم تو اس طرح سمجھانے بیٹھ گئے ہو جیسے آج پہلی بار تم سے ملاقات ہوئی ہو۔“

”مجھے کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔ کتنے عرصہ بعد ہم اس طرح مل بیٹھے ہیں۔“

”ختم کرو....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”کسٹمر انٹیلی جنس کے ڈائریکٹوریٹ میں کوئی جان پہچان والا ہو تو اُس سے مقتول انیسٹر کا اصل نام معلوم کرو....!“

”میں دیکھوں گا جا کر.... شاید کوئی جان پہچان والا مل ہی جائے۔“

تھوڑی دیر بعد عمران نے ڈائریکٹوریٹ کی عمارت کے قریب گاڑی روکی اور صفدر اتر کر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

قریباً بیس بائیس منٹ بعد اس کی دایہی ہوئی تھی اور وہ ناکام واپس نہیں آیا تھا۔

”مقتول کا نام باسطر رشید تھا۔“ اُس نے اطلاع دی۔ ”اور قریباً چھ ماہ سے وہ اسمگلرز کے ایک رواد سے ایجنڈر رہا تھا۔ لیکن پارٹی کے سربراہ تک اس کی پہنچ نہیں ہو سکی تھی۔“

گاڑی حرکت میں آگئی.... اور صفدر نے پوچھا۔ ”اب کدھر....؟“

”اب ہم کچھ دیر دارا کا کافی ہاؤز میں بیٹھیں گے۔“

”ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ فی الحال آپ دارا کو نہیں چھیڑنا چاہتے۔“

”صرف بیٹھیں گے کافی ہاؤز میں.... دارا سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہو گا۔“

”مجھے سوچ سوچ کر ہنسی آرہی ہے سلیمان اور جوزف کی حرکتوں پر....!“

عمران کچھ نہ بولا۔ گاڑی شہر کی طرف بڑھتی رہی۔

”کبھی پہلے بھی دارا کافی ہاؤز میں بیٹھے ہیں!“ صدر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”نہیں.... بس اُدھر سے گزرتے ہوئے سائن بورڈ ہی پر نظر پڑتی رہی ہے۔ کبھی بیٹھے اتفاق نہیں ہوا!“

”شہر کے بڑے بڑے ادیب اور آرٹسٹ وہاں بیٹھے ہیں!“

”بیٹھے ہیں یا بیٹھے رہا کرتے ہیں!“ عمران نے پوچھا۔

”خود ہی دیکھ لیجئے گا!“

”لیکن ہماری نوعیت کیا ہوگی!“ عمران نے کہا۔ ”ہم نہ ادیب ہیں اور نہ آرٹسٹ....!“

”صرف میری بات کیجئے۔ آپ تو پتا نہیں کیا کیا ہیں!“ صدر نے کہا پھر جلدی سے پوچھ

بیٹھا۔ ”دارا آپ سے واقف تو نہیں ہے!“

”پتا نہیں.... اس سلسلے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا!“

”خیر دیکھا جائے گا!“

دارا کافی ہاؤز کے قریب گاڑی رک گئی۔ وہ دونوں اتر کر اندر پہنچ گئے دن کے گیارہ بجے تھے اور کافی ہاؤز اس وقت بھی خاصا آباد نظر آ رہا تھا۔

انہوں نے ایک گوشے میں میز منتخب کی.... عمران بالکل ہونٹوں کے سے انداز میں کافی ہاؤز کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر بوکھلا کر بولا۔ ”ارے باپ رے۔ یہاں تو لڑکیاں سرو کرتی ہیں۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا!“

”یہی تو یہاں کی اسٹیبلشمنٹی ہے۔“ صدر بولا۔ ”میں سمجھتا تھا کہ شاید آپ کو اس کا علم ہو۔“

”علم ہو تا تو ہر گز نہ آتا۔ یہاں... لڑکیوں کو بیرا گیری کرتے دیکھ کر میری گھٹکی بندھ جاتی ہے۔“

”یعنی آپ اُن کی بیرا گیری سے خوف محسوس کرتے ہیں!“

”بالکل.... پتا نہیں کب کافی پاٹ سر پر دے ماریں!“

”نہیں بہت سیدھی ہیں۔ بچاریاں۔ حد ہے کہ اتنے ادیبوں اور آرٹسٹوں کو برداشت کرتی ہیں!“

”ارے باپ رے.... وہ اُدھر ہی آ رہی ہے!“ عمران مزید بوکھلا کر بولا۔ ”میں آنکھیں بند

کئے لیتا ہوں۔ تم آؤر ٹیلیس کر دینا۔ کافی اور چکن سینڈویچز کے لئے!“

پھر چمچ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور صدر روٹریس کو بتانے لگا کہ انہیں کیا کیا چاہئے۔

ٹھیک اُسی وقت ایک صاحب قریب کی میز پر ہاتھ مار کر دہاڑے۔ ”دونوں سپر پاورز عالمی اے عامہ سے قطعی متاثر نہیں ہوتیں۔ جو اُن کا دل چاہتا ہے کرتی رہتی ہیں۔ اس لئے محض انفرنسوں سے کام نہیں چل سکتا!“

عمران نے سہم جانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ ویٹریس جاچکی تھی۔ وہی صاحب پھر گرے۔ ”تیسری دنیا کی باتیں بھی بکواس ہیں۔ ان میں سے بھی کچھ ممالک اس کی گود بن بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ اُس کی گود میں سچائی پتا نہیں کہاں دفن ہو گئی ہے!“

”اے تم مجھے کہاں لے آئے!“ عمران کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہاں تو دل دہلانے والی تیں ہو رہی ہیں۔“

”فکر نہ کیجئے.... اُن گلوں پر نظر رکھئے۔ جو آپ کے لئے دوزدھوپ کر رہی ہیں۔“

”کن گلوں کی بات ہے۔“

”سرو کرنے والی لڑکیاں....!“

برابر والی میز پر وہی صاحب پھر گرے۔ ”میں نے اپنی نظم میں یہی بتانے کی کوشش کی ہے۔ ساری دنیا ایک بہت بڑے فراڈ کے دور سے گزر رہی ہے۔ کچھ لوگ دوسروں کو فریب دے رہے ہیں اور کچھ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔“

”میاں میں تو چلا!“ عمران خوف زدہ لہجے میں بولا۔ ”کہیں اب ان کی نظم بھی نہ سنی پڑے۔“

”بیٹھے.... بیٹھے.... شاید نظم نہ سنائیں۔ کیونکہ ان کے دونوں ساتھی خاصے بور نظر آ رہے

ہیں۔ شاید وہ انہیں نظم پڑھنے کا موقع ہی نہ دیں۔“

”یار م لیا جانو.... شاعر کو کون روک سکا ہے۔ سنانے سے۔“

”اچھا تو پھر آپ یہاں آئے کیوں تھے۔“

”میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں....!“

”دارا کے لئے شاید آپ بھول گئے!“ صدر آہستہ سے بولا۔

”دارا کے بارے میں تم کیا جانتے ہو....!“

”کبھی ہیوی ویٹ چیمپئن رہ چکا ہے۔ باکسنگ کا۔ اب بظاہر صرف یہی پیشہ ہے کافی ہاؤز کھول

کرد دفتر نشین ہو گیا ہے۔“

”پولیس ریکارڈ....!“

”میرا خیال ہے کہ اُس کا کوئی پولیس ریکارڈ نہیں ہے۔ کسی غیر قانونی حرکت کا مرتکب کبھی نہیں پایا گیا۔“

”تب تو واقعی اُسے براہ راست نہ چھیڑنا چاہئے۔ صرف نگرانی کافی ہوگی۔“

”کیا آپ اس سے ملیں گے نہیں....؟“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ بہر حال اصل آدمی نہیں ہے جسکی تلاش انسپکٹر باسٹر رشید کو تھی۔“

”لیکن وہ اصل آدمی سے واقف تو ہو گا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ عمران پر تفکر لہجے میں بولا۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ میں حالات کا پوری طرح جائزہ لئے بغیر خود کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔ پہلے تو مجھے یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس سلسلے میں ہومی سائیڈ والوں اور کسٹمرز اٹیلی جنس کا کیا رویہ ہے۔“

”اور کیپٹن فیاض....!“

”کیپٹن فیاض تک بات اُس وقت پہنچے گی جب ہومی سائیڈ والے ناکام ہو جائیں۔ میں اس

وقت یہاں صرف اسلئے آیا ہوں کہ کافی ہاؤز کے ماحول کا جائزہ لے سکوں۔ ارے باپ رے۔“

عمران نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کیونکہ ویٹر لیں ان کی طلب کی ہوئی اشیاء لاری تھی۔

”یہ آپ جائزہ لے رہے ہیں ماحول کا....!“ صفدر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”آنکھیں کھول لے وہ

جا چکی ہے۔“

عمران نے آنکھیں کھول دیں اور ہونقوں کی طرح صفدر کی شکل دیکھنے لگا۔

”میرا خیال ہے کہ دارا ابھی اصل آدمی کی نشاندہی نہیں کر سکے گا۔“ صفدر نے استہ سے

کہا۔ ”ورنہ باسٹر رشید اسی طرح کیوں جھک مارتے مارتے خود بھی ختم ہو جاتا۔“

”یہ بھی ممکن ہے....!“ عمران نے کہا۔ ”بعض مجرم خود کو اپنے سارے کارپردازوں پر ظاہر

نہیں کرتے۔“

”اگر معاملہ اسمگلنگ ہی کا ہے تو بڑا ہی آدمی اُس کی پشت پر ہو گا۔“

”بزانہ کہو.... بلکہ دولت مند اور ذی اثر آدمی کہو۔ بڑا آدمی اور چیز ہوتا ہے۔“

”خیر.... خیر....!“ صفدر اس کی پیالی میں کافی اٹھاتا ہوا بولا۔ ”سینڈوچ لیجئے۔ چکن سینڈوچ

یہاں کی اسٹیشلیٹی ہے۔“

”برابر کی میز سے پھر دھاڑ سنائی دی۔“ ہم وہی لکھتے ہیں جو محسوس کرتے ہیں۔“

”اتنے زور سے تو محسوس نہ کرو....!“ دفعتاً عمران بگڑ کر بولا۔

”جی کیا مطلب....!“ برابر والی میز سے آواز آئی۔

”آپ کو یہاں بیٹھ کر اس طرح چیخنے کا حق کس نے دیا ہے۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں....!“ وہ ادیب یا سیاستدان اپنی کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔

”میں بالکل ہوش میں ہوں.... ورنہ ہر گز اعتراض نہ کرتا۔“ عمران بھی اٹھتا ہوا بولا۔

”اس کا مقابل ادیب یا سیاستدان خاصا کھیم شیم آدمی تھا اور آنکھوں کی بناوٹ کے اعتبار سے

طاقتور بھی لگتا تھا۔“

”جانتے ہو میں کون ہوں۔“ وہ سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

”بے شمار جانوروں سے میری جان پہچان نہیں ہے۔“ عمران نے بڑی معصومیت سے کہا۔

اچانک کاؤنٹر کلرک دوڑ آیا اور دونوں سے خاموش ہو جانے کو کہتا رہا۔

”بتا نہیں کہاں سے آرتے ہیں۔“ عمران کا مقابل بولا اور کاؤنٹر کلرک سے پوچھنے لگا۔ ”کیا

تم اس شخص کو جانتے ہو....!“

”نہیں جناب....!“

”تو گویا نو وارد ہے۔ کافی ہاؤز میں بیٹھنے کی تمیز نہیں ہے تو یہاں کیوں آئے۔“

”بد تمیزوں کا دماغ درست کرنے۔“ صفدر بھی اٹھتا ہوا بولا۔

دیئے اُسے عمران کی دخل اندازی اچھی نہیں لگی تھی۔ دفعتاً دارا بھی اپنے آفس سے نکل کر

وہاں آکھڑا ہوا۔ لیکن صفدر نے محسوس کیا کہ عمران پر نظر پڑتے ہی وہ چونکا تھا پھر جلد ہی سنبھل

کر عمران کے مخاطب سے بولا تھا۔ ”کیا بات ہے شاطر صاحب۔“

”یہ شخص خواہ مخواہ میری باتوں میں دخل اندازی کر بیٹھا تھا۔“

”میں اس لئے دخل اندازی کر بیٹھا تھا کہ خواہ مخواہ چیخ چیخ کر دوسروں کا سکون غارت کر رہے

تھے۔“

”تو پھر.... کیا کیا جائے!“ دارا نے پر تشویش لہجے میں کہا۔ ”اب تو وہ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔!“

”تب پھر جو کچھ بھی ہو.... سڑک پر ہی سہی!“

”نہیں... میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ کیوں نہ میں اوپری منزل کے ہال میں انتظام کر دوں!“

صفر اپنی گردن سہلانے لگا اور عمران جلدی سے بولا۔ ”لیکن اگر وہ اس پر رضامند نہ ہو تو؟“

”پولیس کے ہاتھوں ذلیل ہونا تو وہ بھی پسند نہ کرے گا!“ دارا نے آہستہ سے کہا۔ ”خیر میں اس سے گفتگو کر کے دیکھتا ہوں۔!“

دارا انکی میز سے اٹھ کر شاطری میز کے قریب جا بیٹھا اور آہستہ آہستہ اس سے گفتگو کرنے لگا۔

”یہ آپ نے کیا شروع کر دیا!“ صفر آہستہ سے بڑبڑایا۔

”میں نے شروع کر دیا ہے۔ یا اس نے شروع کیا ہے۔“ عمران نے کسی چڑچڑی عورت کے سے انداز میں ہاتھ نچا کر کہا۔

”آخر اس سے فائدہ کیا ہو گا۔ کیا آپ اسی لئے یہاں آئے تھے۔!“

”دنیا میں سب کچھ بندھے نکلے اصولوں کے تحت نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی ناگزیر تبدیلیاں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔!“

”یعنی آپ سچ اس سے کشتی لڑیں گے۔!“

”خود میں نے چیلنج نہیں کیا....؟“

”کمال ہے....! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں....!“

”تم کشتی دیکھنا....!“

”اس سے دارا پھر ان کے قریب آ بیٹھا اور رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ”وہ اس پر آمادہ ہو گیا ہے۔“

”لہذا میں اوپر کے ہال سے فرنیچر ہٹوانے جا رہا ہوں۔!“

”بالکل.... بالکل....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”آپ قطعی فکر نہ کیجئے گا میں ریفری کے فرائض انجام دوں گا۔ فاول کی قطعی اجازت نہ

ہو گی۔ اب یہ بتائیے کہ آپ دیسی کشتی لڑیں گے یا فری اسٹائل....!“

”وہ جس طرح بھی لڑنا چاہے۔ مجھے منظور ہو گا۔!“

”باہر چلو.... میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔!“

”بیٹھ جاؤ....!“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”ذرا یہ لذیذ سینڈویچ کھا لو اور کافی پی لوں پھر میز ضرور چلوں گا تمہارے ساتھ باہر۔ پہلے تمہیں ماروں گا پھر وہ نظم سنوں گا جس کے لئے تم اس قدر چیخ رہے تھے۔ لیکن تمہارے ساتھی نظم سنانے کا موقع ہی نہیں دے رہے تھے۔!“

”مار ڈالوں گا....!“ کہتا ہوا وہ عمران کی طرف جھپٹا.... لیکن دارا ان کے درمیان آتا ہوا بولا۔

”باہر ہی ٹھیک رہے گا شاطر صاحب۔ میں یہاں ہنگامہ پسند نہیں کروں گا۔ آپ بھی براہ کرم بیٹھ جائیے جناب....!“ اس نے عمران سے کہا۔

”جی بہت اچھا....!“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور بیٹھ کر نہایت اطمینان سے سینڈویج کھانے لگا۔

”پاگل معلوم ہوتا ہے۔!“ شاطر نے کہا اور خود بھی بیٹھ گیا۔

عمران نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ صفر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دارا بھی کرسی گھسیٹ کر عمران ہی کی میز کے قریب بیٹھ گیا۔

پھر آہستہ سے بولا۔ ”عمران صاحب.... آج اچانک اس کرم فرمائی کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔!“

”بھائی! وہ سرے گزر رہے تھے۔ بھوک لگی اور یہاں آ بیٹھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کا ماحول مچھلی بازار سے مختلف نہیں ہے۔!“

”آپ سیدھے دفتر میں تشریف لائے ہوتے۔ وہاں آپ کے لئے انتظام ہو جاتا۔ یہ شاعر اور ادیب لوگ ہیں کسی قسم کی بھی پابندی برداشت نہیں کر سکتے۔!“

”مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ مجھے جانتے ہیں۔!“ عمران بولا۔ ”ورنہ سیدھا آپ ہی کے پاس آتا۔!“

”مگر عمران صاحب.... شاطر کینہ توڑ آدمی ہے۔ باہر نکل کر آپ سے لڑے گا نہ۔۔۔۔۔“

”خیر یہ کہتا ہے کہ وہ شاعر ہی نہیں پہلوان بھی ہے۔!“ دارا آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔

”غوب....! یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ آج ایک پہلوان کا تجربہ بھی ہو جائے گا۔!“ عمران

خوش ہو کر بولا۔

”لیکن سڑک پر تو اچھا نہیں لگے گا۔ ہو سکتا ہے معاملہ قابل دست اندازی پولیس نہ بن جائے۔!“

”سڑک پر تو یہی ہو گا۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”وہ تو فری اسٹائل کے لئے کہہ رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے.... میں اس سے متفق ہوں....!“

”بہت اچھا.... میں تھوڑی دیر بعد آپ دونوں کو اوپر لے چلوں گا۔“

”تمنا شیوں کے بغیر کشتی کا کیا مزہ....!“ عمران بیزاری سے بولا۔

”ہلڑ ہو جائے گا اور میں اسے پسند نہیں کروں گا۔“ دارا نے کہا۔

”اچھا تو صرف اُس کے ساتھی اور میرا ساتھی....!“

”ہاں.... اس حد تک ممکن ہے....!“ دارا اٹھتا ہوا بولا۔

”اب اس میز کی طرف ہرگز نہ دیکھنا....!“ عمران آہستہ سے بولا اور اس طرح ہنسنے لگا جیسے

صفر کی کسی بات پر ہنسا ہو۔

دفعتاً شاطر کی میز سے اُس کا ایک ساتھی اٹھا اور اُن کی میز کے قریب آکر بولا۔ ”کیا میں یہاں

بیٹھ سکتا ہوں۔!“

”ضرور.... ضرور....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”شوق سے....!“

”کشتی تو طے پاگئی ہے جناب.... لیکن ہم لوگ ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔ اگر

لئے کشتی سے قبل تعارف ہو جائے تو بہتر ہے۔ میرے ساتھی نواب شاطر کہلاتے ہیں۔!“

اور میرے ساتھی.... صفر جلدی سے بولا۔ ”ہر میچیشی علی عمران ایم ایس سی۔ ڈی ایس سی

(آکسن) ہیں۔!“

”خیر.... خیر.... لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ نواب صاحب نہ صرف شاعر بلکہ ایک منجھ

ہوئے پہلوان بھی ہیں اب بھی مصالحت کی صورت نکل سکتی ہے۔ اگر آپ کے ساتھی نواب

صاحب سے معافی مانگ لیں تو بات ختم ہو سکتی ہے۔!“

”ان سے کہئے کہ وہ خود ہم سے معافی مانگیں۔!“ عمران بگڑ کر بولا۔ ”ورنہ ہم اُن پر عرصہ

حیات تک کر دیں گے۔ کیونکہ ہم نثری نظم کے ماہر ہیں۔!“

”بات بڑھانے سے کیا فائدہ....!“ شاطر کا ساتھی بولا۔

”بات بڑھ چکی ہے۔!“ عمران بولا۔ ”مسٹر دارا اوپر ہال میں انتظام کرنے گئے ہیں۔ اب ایسے

میں اگر ہم پیچھے ہٹ گئے تو انہیں سخت مایوسی ہوگی۔!“

”تو آپ نہیں مانیں گے۔!“

”ہرگز نہیں.... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... اب تو ہر حال میں کشتی ہوگی۔!“

”آپ پچھتائیں گے۔!“

”وہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہوگا۔!“ عمران لا پرواہی سے بولا.... اور نواب شاطر کا ساتھی اٹھ کر اپنی

میز پر چلا گیا۔ صفر سوچ رہا تھا کہ عمران کو اس کی بات مان لینی چاہئے تھی۔ آخر اس ہلڑ بازی کا کیا

مصرف۔ وہ یہاں اس لئے تو آئے نہیں تھے۔ پھر اگر دارا سے کشتی کی ٹھہرتی تو بات بھی تھی۔ کم

از کم یہی اندازہ ہو جاتا کہ جن لوگوں سے ٹکراؤ ہوا ہے وہ کتنے پانی میں ہیں۔

قریباً آدھے گھنٹے بعد دارا نے آکر اطلاع دی کہ ہال خالی ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی اُس نے کہا۔

”فرش پر ڈالنے کے لئے گدوں کی فراہمی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ لوگ خود ہی اپنی ہڈیوں کی

حفاظت کیجئے گا۔!“

”آپ اسکی فکر نہ کیجئے.... ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری آپ پر نہ ہوگی۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

پھر دارا نے شاطر کی میز پر جا کر شائد یہی اطلاع دی تھی اور شاطر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے

دونوں ساتھی بھی اٹھتے تھے۔ عمران نے کاؤنٹر پر کافی کی قیمت ادا کی اور وہ سب اوپر جانے کے لئے

زینے طے کرنے لگے اور دارا نے کہا۔

”نواب صاحب شائد آپ کو نہ معلوم ہو کہ مسٹر علی عمران انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر

جنرل مسٹر رحمان کے صاحب زادے ہیں۔!“

”اسی لئے اس قدر اکڑ رہے ہیں۔!“ شاطر بولا۔

”اُن کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہونے پاتا کہ میں کیا کرتا پھرتا ہوں۔!“ عمران نے

لا پرواہی سے کہا۔

”مسٹر دارا.... آپ نے مجھے مطلع کر دیا ہے۔!“ شاطر بولا۔ ”لیکن میں ذرہ برابر بھی رعایت

نہیں کروں گا۔ خواہ یہ صدر مملکت ہی کے صاحب زادے کیوں نہ ہوں۔!“

”فری اسٹائل کے بھی کچھ اصول ہیں۔!“ عمران نے کہا۔ ”جن ضربات یا گرفتوں کو مستثنیٰ کرانا

چاہتے ہو اُن کے بارے میں ابھی سے بتا دو....!“

شاطر رک کر عمران کو گھورنے لگا۔ وہ ہال میں پہنچ چکے تھے۔ آخر وہ برا سامنہ بنا کر بولا۔

منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ شاطر کے ساتھیوں کے چہرے دھواں ہو کر رہ گئے تھے۔ شاطر بڑی تیزی سے اٹھا اور عمران پر جھپٹ پڑا۔ اس بار عمران نے جھکائی دے کر اُسے اپنی پشت پر لیا اور پھر اس طرح اچھال پیچھا کیجیے وہ محض ایک کھلونا رہا ہو۔

دفعۃً شاطر کا ایک ساتھی زور سے بولا۔ ”یہ کشتی نہیں ہے!“

”پلیز خاموش رہئے۔“ دارا نے کہا ”اس قسم کے فیصلے صرف میں کر سکتا ہوں آپ نہیں!“

اس بار عمران کی کر شاطر کی گرفت میں آگئی تھی اور وہ اُسے فرش سے اکھاڑ کر پٹخ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ دفعۃً عمران نے خود ہی فلا بازی کھائی اور اسے بھی اپنے ساتھ ہی فرش پر لیتا چلا گیا اور بڑی پھرتی سے آرم لاک لگا دیا اور آہستہ سے بولا۔ ”ہارمان لونوب صاحب درنہ اس پر کوئی اور داؤ لگانے کی کوشش کر دے تو شانہ اتر جائے گا!“

شاطر نے جواب میں ایک گندی سی گالی دی اور آرم لاک سے نجات پانے کے لئے زور لگانے لگا۔ لیکن پھر اچانک اس کے حلق سے کریہہ سی آواز نکلی اور وہ ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ عمران کے قول کے مطابق ہاتھ شانے سے اکھڑ گیا تھا۔ عمران اُسے چھوڑ کر ہٹ گیا اور وہ دوسرے ہاتھ سے شانہ دبائے فرش پر لوٹا رہا۔

دارا گنتی گنتے لگا لیکن وہ گنتی پوری ہو جانے کے بعد بھی نہ اٹھ سکا۔

عمران نے شاطر کے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”شانہ اتر گیا ہے اسے بٹھانے کی فکر کیجئے!“

اس کے دونوں ساتھی دارا کے سر ہو گئے کہ اُسی نے بات بڑھا کر ان دونوں کی کشتی کرا دی تھی اور وہ جانتا تھا کہ نوب صاحب کا مقابل ایک پیشہ ور پہلوان ہے۔!

”مسٹر عمران.... اور پیشہ ور پہلوان....!“ دارا مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ”انہیں کس چیز لی کی ہے کہ یہ پیشہ ور پہلوان بن جائیں گے۔ نوب صاحب ہی کی طرح شوقیہ پہلوان ہیں۔ آپ دونوں براہ کرم یہیں رک کر نوب صاحب کی دیکھ بھال کیجئے میں ہاتھ بٹھانے والے کو بلواتا ہوں۔ آئیے مسٹر عمران....!“

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ عمران اتنی دیر میں جوتے اور کوٹ پہن چکا تھا اس نے مڑ کر شاطر کی طرف دیکھا وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

زینے طے کرتے وقت دارا بولا۔ ”مسٹر عمران میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ اتنی اچھی

”سب کچھ چلے گا۔ اسٹیج کا تو نام ہی مت لو....!“

”مسٹر دارا نوٹ کیجئے۔!“ عمران نے کہا۔ ”آپ ریفری کے فرائض انجام دیں گے۔!“

”میں نوب صاحب کے مافی الضمیر سے آگاہ ہو گیا۔!“ دارا سر ہلا کر بولا۔ ”آپ بتائیے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔!“

”بس میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہ ہو۔ میں ذاتی طور پر لکھ کر دے سکتا ہوں کہ میری ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری شاطر صاحب پر نہیں ہوگی۔!“

”آپ دونوں ہی اس طرح کی تحریروں سے دین تو بہتر ہو گا تاکہ میں بھی بری الذمہ ہو سکوں۔!“

دونوں نے اپنی اپنی تحریر دارا کے حوالے کی تھی اور لڑاکے مرغوں کی طرح ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے تھے۔

”ٹھہریئے۔“ دارا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ بھی بتا دیجئے کہ فیصلہ پوائنٹس پر ہو گا یا ناک آؤٹ پر اور کتنے راؤنڈز کی کشتی ہوگی۔ تیسری بات یہ کہ بال پکڑنا اور ناف کے نیچے گھونسا مارنا یا پیر سے ضرب لگانا فائل قرار پائے گا۔!“

”مسلل کشتی ہوگی۔!“ نوب شاطر نے گرج کر کہا۔ ”اور ہار جیت کا فیصلہ ناک آؤٹ پر ہوگا۔ راؤنڈز نہیں ہوں گے۔!“

”مجھے منظور ہے۔!“ عمران مسکرا کر بولا۔

”ہم جوتے اور کوٹ اتار دیں گے۔!“ نوب شاطر نے کہا۔

”ضرور.... ضرور....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”دونوں نے جوتے اور کوٹ اتار دیئے اور پھر ایک دوسرے کے مقابل آئے۔ دارا نے سیٹی بجائی اور دونوں ایک دوسرے کے نیچے پکڑنے کے لئے گھات لگانے لگے۔

صفدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس فضول حرکت کا انجام کیا ہوگا۔ کیا یہ محض عمران کی سبک تھی؟ یا کوئی بامقصد قدم تھا....؟

دفعۃً عمران کے نیچے شاطر کی گرفت میں آ گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے چھلانگ لگائی کہ شاطر کے اوپر سے گذر تا ہوا دوسری طرف نکل گیا اور اس کے نیچے شاطر کی گرفت سے آزاد ہو گئے۔ پھر شاطر کے سنبھلے سے پہلے ہی اُس کی فلائٹ کک شاطر کے شانوں پر پڑی اور وہ

اور بے داغ کشتی لڑ سکتے ہیں۔ ذرا دیر کو میرے آفس میں تشریف لائے۔“

”ضرور... ضرور!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”فری اسٹائل کشتی اور بائنگ تو میری ہائیز میں سے ہیں۔“

وہ دونوں دارا کے دفتر میں پہنچے اور دارا انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے فون پر کسی سے گفتگو کرنے لگا۔

”قیوم کو ہڈی بٹھانے کے سامان کے ساتھ فوراً کافی ہاؤز بھیج دو۔ دیر نہیں ہونی چاہئے۔“

”پھر ریسورر رکھ کر کھنٹی بجائی۔ ایک ویٹر دروازہ کھول کر اندر آیا۔

”کافی لاؤ...!“ دارا نے اس سے کہا اور اس کے چلے جانے کے بعد عمران سے بولا۔ ”مسٹر

عمران میرا ایک چھوٹا سا جمیزیم بھی ہے۔ وہاں میں اپنے اتھلیٹس کو تربیت دیتا ہوں۔ اگر آپ کو

فرصت ہو تو کبھی کبھی تشریف لایا کیجئے۔ مجھے بے حد خوشی ہوگی اگر آپ میرے لڑکوں کو کوچ کر دیا

کریں۔ اس کے عوض میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں گا۔“

”ضرور... ضرور... شام کو فرصت ہی فرصت ہوتی ہے۔ آپ مجھے جمیزیم کا پتا دے دیجئے۔“

”بہت بہت شکریہ عمران صاحب...!“ دارا خوش ہو کر بولا۔ ”میری خوش قسمتی تھی کہ آج

آپ ادھر تشریف لے آئے۔ نواب شاطر کا اباں بھی کم ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اب ادھر کارخ

کرنا ہی چھوڑ دے۔“

”خواہ مخواہ مذاق ہی مذاق میں بات بڑھ گئی۔ مجھے افسوس ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”آپ افسوس کر رہے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی ہے۔“ دارا نے کہا۔ ”آئے دن کسی نہ کسی سے

الچٹار ہوتا تھا۔ بار سوخ اور ذی حیثیت آدمی ہے۔ اس لئے کچھ کہا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ بات بات پر تو

وہ گورنر کا حوالہ دیتا ہے۔“

”عمران کچھ نہ بولا۔ انہی میں ویٹر کافی لے آیا۔“

ادھر صفدر مسلسل سوچے جا رہا تھا آخر بات کیا ہوئی۔ آئے تھے دارا کے بارے میں چھان بین

کرنے اور ایک غیر متعلق آدمی سے کشتی لڑوا کر واپس جا رہے ہیں۔

عمران نے دارا سے جمیزیم کا پتا لے لیا اور کافی پی کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”اچھا اب اجازت دیجئے

مسٹر دارا۔ میرا خیال ہے کہ شاید ابھی آپ کو نواب صاحب سے بھی الچٹا پڑے۔ ان کے ساتھی

آپ پر بھی کچھ الزامات عائد کر رہے تھے۔“

”جھک مارتے رہیں۔ آپ بے فکر رہئے ان سے نیٹ لوں گا۔“ اس نے دونوں سے مصافحہ کیا

اور دفتر کے دروازے تک ساتھ آیا۔



سلیمان گمرخ کے خلاف دل کے پھپھو لے پھوڑ رہا تھا۔ مخاطب جوزف تھا اور گمرخ بھی دور

بیٹھی سن رہی تھی۔ اپنے کان نہیں بند کر لئے تھے۔

سلیمان کہہ رہا تھا۔ ”بھلا کس کی بدولت ادھر ادھر ہاتھ مارنے پڑتے ہیں۔ بھیک تک پر گزارا

کرنا پڑتا ہے۔ بول بتا تا کیوں نہیں ہے کہ کس کی بدولت...!“

”میں کیا بولے بھائی!“ جوزف نے دانت نکال دیئے۔

”تو ہی تو سب سے بڑا دغا باز ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ شادی سے پہلے میری تحویل میں ہزاروں

روپے ہوا کرتے تھے اور صاحب نے کبھی پلٹ کر حساب نہیں پوچھا۔“

”ہاں میں جانتا...!“ جوزف سر ہلا کر بولا۔

”اور شادی کے بعد سے وہ گھر کا خرچ اس کے ہاتھ میں دینے لگے۔ یہی نہیں بلکہ میری تنخواہ

بھی اسی کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔“

اشارہ گمرخ کی طرف تھا۔ وہ کچھ بولی نہیں بدستور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

جوزف نے سلیمان کو اس قضیے کو ختم کر دینے کا اشارہ کیا لیکن وہ بدستور بکواس کرتا رہا۔ ”میں بھی تو

خود مجھے بھیک مانگنی پڑیگی۔ پتا نہیں وہ کون سی منوس گھڑی تھی جب میرے سر میں شادی کا سودا سہا تھا!“

گمرخ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے بیٹھی رہی۔ اگر عمران کی ہدایات پر عمل نہ کر رہی ہوتی تو

ایک بار پھر سلیمان کی شامت آجاتی۔

سلیمان کی بیک اس جاری ہی تھی کہ فون کی کھنٹی بجی۔ جوزف نے ریسورر اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کون ہے۔“

”جوزف...!“ اس نے آواز پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”کیا مسٹر عمران موجود ہیں۔“

”آپ کون ہیں۔“ جوزف نے انگلیش میں پوچھا۔

لیکن اس کی بات کا جواب دیئے بغیر کہا گیا۔ ”مسٹر عمران کو فون پر بلاؤ...!“

”باس اس وقت گھر پر موجود نہیں ہیں۔“

”جب آئیں تو ان سے کہنا کہ ایس پی ہوی سائیڈ کورنگ کریں۔!“

”بہت اچھا جناب.....!“

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور پُر تشویش نظروں سے سلیمان کی طرف دیکھنے لگا۔

”کون تھا.....؟“ سلیمان نے پوچھا۔

”ایس پی..... ہوی سائیڈ..... باس کو پوچھا تھا.....!“

اتنے میں پھر فون کی گھنٹی بجی اور سلیمان نے جوزف ہی کو کال ریسیو کرنے کا اشارہ کیا۔

اس بار عمران کی کال تھی اور وہ یہی پوچھ رہا تھا کہ کسی کی کال تو نہیں آئی تھی۔

”ایس پی..... ہوی سائیڈ نے کہا تھا کہ جب واپسی ہو تو اُسے رنگ کر لیں۔!“ جوزف نے

جواب دیا۔

”تجھ سے تو کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی تھی.....؟“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں باس.....!“

”ٹھیک ہے.....!“ عمران نے کہا۔ ”تم دونوں محتاط رہنا.....!“

”ہم ہوشیار ہیں باس.....!“

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ جوزف نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے سلیمان سے کہا کہ اب وہ اس جھگڑے کو ختم کر کے دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرے۔

”سب ٹھیک ہے..... تو اپنی فکر کر!“ سلیمان نے جھلا کر کہا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جوزف نے بھی اپنے کمرے کی راہ لی۔ گلرنگ سنگ روم ہی میں بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی گلرنگ ہی نے کال ریسیو کی۔

”عمران کو بلاؤ.....!“ دوسری طرف سے بھدی سی آواز آئی۔

”وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔!“

”کہاں ہے.....!“

”آپ کون صاحب ہیں.....!“

”میں پوچھ رہا ہوں..... وہ کہاں ہے۔!“

”مجھے علم نہیں.....!“

”مہمہ دینا سالے سے کہ اب اسکی خیر نہیں۔!“ دوسری طرف سے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ گلرنگ سنائے میں کھڑی رہ گئی۔ ریسیور کریڈل پر رکھنے کا ہوش نہ رہا۔ آخر وہ کون بد تمیز تھا جو عمران کے لئے ایسے بیہودہ الفاظ استعمال کر گیا تھا۔

”کچھ دیر بعد چونک کر ریسیور کریڈل پر رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجنے لگی۔ اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔

”کون ہے.....؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کس سے ملتا ہے۔!“ گلرنگ جھلا کر بولی۔

”یاد رکھو.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم سب عزت سے بیٹھی نہ رہو گی۔ پورے گھر کا صفایا کر دیا جائے گا۔“

”تو ہے کون بد تمیز.....!“ گلرنگ دھاڑی۔

”بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔!“ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ گلرنگ کی دہاڑ شاید جوزف نے بھی سنی تھی۔ اس لئے سنگ میں دوڑا آیا تھا۔

”کیا باٹ.....!“ اس نے گلرنگ کے غضبناک چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اور وہ ہانپ ہانپ کر اُسے دونوں کا لڑکے بارے میں بتانے لگی۔

”اُوہ... باس کا معاملہ ایسا ہوٹا۔ ٹم فلر نہ کرے۔!“ جوزف ہنس کر بولا۔ ”میں ڈیکھے گا کون بولتا ہے۔“ وہ کرسی کھینچ کر فون کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ گلرنگ دوسری طرف جا بیٹھی۔ فون کی گھنٹی تھوڑی ہی دیر بعد بجی تھی۔ جوزف نے ریسیور اٹھایا۔

”... زف اسپیکنگ.....!“ اس نے ماؤ تھ پیس میں کہا۔

”عمران کو بلاؤ.....!“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ اور جوزف نے کیپٹن فیاض کی آواز پہچان لی۔

”باس موجود نہیں ہیں۔!“

”جہاں کہیں بھی ہو۔ اس سے کہو کہ فوراً مجھ سے رابطہ قائم کرے۔!“

”مجھے نہیں معلوم جناب کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔!“

”یہ بے حد ضروری ہے..... کوشش کرو.....!“

”اچھی بات ہے..... جہاں جہاں ممکن ہے میں دیکھتا ہوں۔!“ جوزف نے کہا اور دوسری طرف

سے انقطاع کی آواز سن کر خود بھی ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔

”اس بار کون تھا....!“ گرخ نے پوچھا۔

”کیپٹن فیاض....!“

”کیا کہہ رہا تھا!“

”باس کو پوچھنا....!“ جوزف نے کہا اور ریسور کریڈل سے اٹھا کر رانا پیلس کے نمبر ڈائیکل کرنے لگا۔

دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی جسے جوزف ”طاہر صاحب“ کی حیثیت سے جانتا تھا۔

”میں جوزف ہوں۔!“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”اگر باس موجود ہوں تو انہیں بلائیں۔!“

”ہولڈ آن کرو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد عمران کی آواز آئی۔ ”کیا بات ہے۔!“

”باس کوئی... بد تمیز بار بار فون پر بیہودہ باتیں کر رہا ہے اور تمہارے لئے دھمکیاں بھی سنا رہا ہے۔!“

”فکر نہ کرو.... سنو اور ریسور کر رکھ دو....!“

”ہو باس کیپٹن فیاض کی کال آئی تھی مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں مطلع کر دوں کہ اُسے فوراً رنگ کرو۔“

”ٹھیک ہے....!“

”مگر باس.... دھمکی دالی کالز سے مجھے تشویش ہو گئی ہے۔!“

”اچھا تو ایک نمبر نوٹ کرو۔ دھمکی دالی کال آئے تو کال کرنے والے سے کہہ دیجو کہ میں اس

نمبر پر مل سکتا ہوں۔“

اس نے نمبر بتائے اور جوزف انہیں نوٹ ہی کر رہا تھا کہ دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے

کی آواز آئی۔ جوزف نے طویل سانس لے کر ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔



عمران نے کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیکل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔ جواب کیا

ملا بلکہ سوال جڑ دیا گیا۔ ”تم کہاں ہو....؟“

”تمہیں اس سے کیا سروکار.... میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے کیوں فون کیا تھا مجھے۔!“

”مقتول حقیقتاً بھکاری نہیں تھا۔!“ فیاض نے اطلاع دی۔

”میرے لئے پرانی اطلاع ہے۔!“

”کیا مطلب....!“

”باسٹر شید کسٹرن انٹیلی جنس سے متعلق تھا۔!“

”تم پہلے ہی سے جانتے تھے۔!“

”نہیں بعد میں معلوم ہوا تھا۔!“

”تم آخر اس کے پیچھے کیوں تھے اور جوزف بھی اُسی اڈے کو کیوں استعمال کر رہا تھا۔!“

”شائد تم نے پھر تھوڑی سی گھاس کھالی ہے۔!“

”عمران معاملہ سیریس ہو گیا ہے۔ اس لئے سیدھی راہ پر آجاؤ۔ تم نے ہومی سائیڈ والوں کو

گناہ کال کی تھی۔!“

”کیا ثبوت ہے تمہارے پاس....!“

”تم نے مجھے بھی اطلاع کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہومی سائیڈ والوں سے رابطہ رکھوں۔!“

”یہ بھی سراسر بہتان ہے۔!“

”تمہاری کال ریکارڈ ہو گئی تھی۔!“

”اچھی بات ہے تو تمہیں یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا وہ میری ہی آواز ہے۔!“

”سنو....!“ کیپٹن فیاض نے بے حد سرد لہجے میں کہا۔ ”مقتول کی اصلیت معلوم ہو جانے

کے بعد کیس ہمارے پاس آگیا ہے۔!“

”بڑی خوشی ہوئی....!“

”اچھی بات ہے تو اب تفتیش کا آغاز جوزف کی گرفتاری سے ہو گا۔!“

اسے ہاتھ لگا کر دیکھو.... کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔!“

”تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔!“

”بے وجہ نہیں دے رہا۔!“

”بہتری اسی میں ہے کہ سیدھے میرے پاس چلے آؤ....!“

عمران نے ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں جج فیاض جوزف کو پریشان نہ

کرے۔ لہذا وہ رانا پیلس سے فلیٹ کی طرف چل پڑا۔

”ہو سکتا ہے....؟“ عمران سر ہلا کر بولا اور کچھ سوچنے لگا۔
 ”لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ دھمکی دینے والا....!“ سلیمان کچھ کہتے کہتے رک گیا۔
 ”تو کیا جانے....!“

جوزف نے بتایا تھا۔

”میں بھی تک جوزف سے تیرے تعلقات خراب نہیں ہوئے۔!“
 ”بس ذرا سی غلطی ہو گئی تھی۔ اگر آپ کے میک اپ کے سامان والی الماری کی کنجی بھی مل
 گئی ہوتی تو کیپٹن فیاض کے والد صاحب بھی جوزف کو نہ پہچان سکتے۔!“

”اُوہو.... تو ابھی حسرت ہے دل میں۔!“

”آپ خود سوچئے.... چار گھنٹے میں اڑھائی تین سو روپے کیا بڑے تھے اور اب تو میں خود بھی
 بھیک مانگا کروں گا۔ تاکہ یہ آفت واقعی مجھے چھوڑ کر چلی جائے۔“

اشارہ گلرخ کی طرف تھا۔ عمران ہنس کر بولا۔ ”اُس کا تو خیال ہے کہ وہ بیوگی کا تجربہ بھی
 کرے گی۔ چھوڑ کر جانا ہو تا تو بہتر ہے مواقع آئے تھے۔!“

”تو پھر کسی دن گردن مروڑ کر خود رنڈاؤ جاؤں گا۔!“

”بلاؤں....!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

”نہیں باس خدا کیلئے!“ جوزف گڑ گڑایا۔ ”یہ دونوں لڑتے ہیں تو مجھے سے نہیں دیکھا جاتا۔!“
 عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی کھنٹی بجی۔ خود اُسی نے ریسیور اٹھایا تھا دوسری طرف سے
 صفدر کی آواز آئی۔ ”قیدی سائیکو مینشن پہنچ گئے ہیں۔ انہیں ہوش بھی آگیا ہے اور وہ طرح طرح
 کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔!“

”تم کیا معلوم کیا.... کس سے تعلق رکھتے ہیں۔!“ عمران نے پوچھا۔

”کچھ اگلنے پر تیار نہیں۔ سمجھ رہے ہیں کہ شاید سی آئی ڈی والوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔!“
 ”فکر نہ کرو.... میں خود آ رہا ہوں۔!“ ریسیور کریڈل پر رکھ کر جوزف کی طرف مڑا اور بولا۔ ”ایک
 بار پھر اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔ کیپٹن فیاض تجھ سے کچھ اگلو لینے میں کامیاب نہ ہونے پائے۔!“
 ”فکر نہ کرو باس.... تھرڈ ڈگری بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور میں کیپٹن فیاض سے برابری
 کے لیول پر بات کروں گا۔ وہ مجھے سمجھتے کیا ہیں۔!“

فلیٹ کے قریب پہنچ کر گاڑی روکی ہی تھی کہ دو قوی بیکل آدمی سڑک کے دوسرے
 کنارے سے اس کی گاڑی کی طرف بڑھے۔

عمران کی نظر ان پر پڑی تھی.... اور وہ انہیں آنکھوں سے دیکھتا ہوا گاڑی سے اُترتا تھا۔ دونوں
 اس کے قریب پہنچ کر بیک وقت حملہ آور ہوئے۔ عمران ہوشیار تھا پھرتی سے ایک جانب ہٹاؤ
 وہ دونوں گاڑی سے ٹکرا کر رہ گئے۔ پھر وہ انہیں اتنی مہلت کب دے سکتا تھا کہ وہ دوبارہ پلٹ کر
 اس پر حملہ کر سکتے۔

ایک کی گردن پر کرائے کا ہاتھ پڑا تھا اور دوسرے کی بائیں کپٹی پر بایاں ہاتھ۔

دونوں تناور درختوں کی طرح ڈھیر ہو گئے۔ اتنے میں سار جٹ نعمانی اور لیفٹیننٹ صدیقی بھی
 وہاں پہنچ گئے۔ عمران کو نواب شاکر کے آدمیوں کی طرف سے غنڈہ گردی کا خدشہ تھا۔ اس نے
 اس نے فلیٹ کی گمرانی پر ان دونوں کو مامور کیا تھا۔ وہ دونوں بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔

”دونوں کے ہتھکڑیاں لگا کر سائیکو مینشن لے جاؤ۔!“ عمران نے نعمانی سے کہا۔ بھیڑا کٹ
 ہونے لگی تھی۔ ڈیوٹی کا فیصلہ بھی دوڑا آیا تھا۔ لیکن جب اس نے بے ہوش آدمیوں کے
 ہتھکڑیاں لگتی دیکھیں تو مجمعے کو ہٹانے لگا۔ اوپر سے جوزف اور سلیمان بھی آگئے تھے۔

”کک.... کیا ہوا باس....!“ جوزف نے عمران کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”وہ جو دھمکیاں دیتا رہا تھا فون پر.... اُسی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔!“

نعمانی اور صدیقی نے بے ہوش قیدیوں کو دین میں ڈالا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

عمران کے پڑوسیوں نے استفسار حال کیا تھا۔ جواب میں اُس نے کہا۔ ”بہت ہی اعلیٰ پیمانے
 کے گروہ کٹ تھے۔ بہت دور سے پیچھے لگے چلے آئے تھے۔ میں نے راستے میں رک کر سی آئی ڈی
 والوں کو فون کر دیا۔!“

”گاڑی پر تھے....؟“ کسی نے پوچھا۔

”اسی بتا پر تو انہیں اعلیٰ قسم کا گروہ کٹ کہہ رہا ہوں۔!“

بات ختم ہو گئی اور وہ فلیٹ میں پہنچا تھا اور سلیمان کو گھونہ دکھا کر بولا۔ ”دیکھا تو نے یہ بھی
 اُسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔!“

”یعنی اس بھکاری کے قتل کے سلسلے کی....!“

”نہیں تو.... قطعی نہیں.... ہم تو جناب آپ سے کسی کا پتا پوچھنا چاہتے تھے۔“

”کس کا پتہ پوچھنا چاہتے تھے۔“

”شریف الدین پٹھان کا.... اسی علاقے میں کہیں رہتے ہیں۔“

”ہماری تھرڈ ڈگری بے حد خطرناک اور خوفناک ہوتی ہے۔“ عمران نے کہا۔

”گفتگو کرنے والا تھوک نکل کر رہ گیا۔“

”تم سچ بولنے کی کوشش کرو....“ عمران نے دوسرے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”یہ گونگا ہے۔“ دوسرا جلدی سے بولا۔

”تب پھر اسے تمہارے پاس نہیں رہنا چاہئے۔“ عمران نے کہہ کر گھنٹی بجائی اور دو مسلح آدمی اندر آئے۔

عمران نے دوسرے قیدی کی طرف اشارہ کر کے مسلح آدمیوں سے کہا۔ ”اسے نمبر تین میں

لے جاؤ۔“

”یہ گونگا ہے.... اکیلا نہیں رہ سکے گا۔“ دوسرے نے کسی قدر سراسیمہ ہو کر کہا۔ لیکن عمران

اس کی طرف توجہ دیئے بغیر باہر نکل آیا۔ تھوڑا وقت ادھر ادھر گزار کر وہ حوالات نمبر تین کی

طرف چل پڑا۔

اسے یقین تھا کہ دوسرا آدمی گونگا نہیں ہے۔ حوالات نمبر تین میں اُسے اسی لئے بھجویا تھا کہ

اُسے شارٹ سرکٹ ٹی وی پر تھرڈ ڈگری کے مناظر دکھائے جائیں۔

یہاں بھی سلاخوں دار پارٹیشن تھا اور ایک جانب شارٹ سرکٹ ٹی وی بھی رکھا ہوا تھا۔ عمران

نے قیدی کو ٹی وی کی طرف اس طرح متوجہ کیا جیسے سچ اُسے گونگا ہی سمجھتا ہوا اور پھر ٹی وی کا سوچ

آن کر کے اس کا سلسلہ اُس کمرے سے ملادیا جس میں بہت بڑے بڑے گوشت خور چوہے تھے۔ قیدی

سے تیرا انداز میں پلکیں جھپکائیں اور پھر اُس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آئے۔

عمران بہ آواز بلند کہہ رہا تھا۔ ”میں تمہیں اس لئے یہاں لایا ہوں کہ تم بولنا شروع کر دو۔ یہ

کمرہ اسی عمارت میں واقع ہے۔ اگر تم یہاں نہ بول سکتے تو اس کمرے میں پہنچ کر یقیناً بولنا شروع

کر دو گے۔ ویسے ابھی تمہارے چہرے پر کسی قدر سچائی کا نور باقی ہے۔ تمہیں جس کام میں الجھایا گیا

ہے تمہیں پسند نہیں ہے لیکن تمہاری اپنی بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ اگر تم سرکاری گواہ بن جاؤ تو

تمہیں سزا سے بھی بچایا جاسکتا ہے۔ دیکھو ان بھوکے چوہوں پر بھوک کا کس قدر غلبہ ہے کہ یہ

”ٹھیک ہے۔“ عمران نے کہا اور سلیمان سے بولا۔ ”تم دونوں تو اس کے اس خیال کو ہنسی میں اڑا دینے کی کوشش کرنا۔“

”اور نہیں تو کیا بیٹھ کر کیپٹن فیاض کی پوجا کروں گا۔ مجھے وہ دن یاد ہے جب وہ پالتو کتے کی طرح

آپ کے پیچھے پھرا کرتا تھا۔“

”گل رخ کو الگ لے جا کر عمران اس سے بولا۔ ”اگر کیپٹن فیاض ذرا سی بھی بد تمیزی کا لہجہ اختیار

کرے تو فوراً ڈیڈی کو فون کر دیتا۔“

”جی بہت اچھا....“ گل رخ نے کہا۔

بہر حال عمران انہیں پکا کر کے سائیکو مینشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہاں سب سے پہلے صفدر علی سے ملاقات ہوئی اور اس نے اطلاع دی کہ ”وہ دونوں تو ایسے

اونچے لمبے میں گفتگو کر رہے ہیں جیسے گورنر کے آدمی ہوں۔“

”انہیں کہاں رکھا ہے۔“

”حوالات نمبر چار میں....“

”میں دیکھتا ہوں....“ عمران نے کہا اور سائیکو مینشن کی حوالات کی طرف چل پڑا۔

یہ ایک بڑا کمرہ تھا جس کے درمیان سلاخوں دار پارٹیشن تھا۔ سلاخوں کی دوسری طرف وہی

دونوں حملہ آور کھڑے نظر آئے۔

عمران پر نظر پڑتے ہی دونوں چونک پڑے تھے لیکن خاموش کھڑے اُسے اس طرح دیکھتے رہے

جیسے آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

”اب تم لوگ غالباً سمجھ گئے ہو گے کہ میں کون ہوں۔“ عمران نے کہا۔

”ہمیں آخر کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔“ ان میں سے ایک بولا۔

”یہ معلوم کرنے کے لئے کہ تیرا آدمی کون تھا۔“

”کک.... کیا مطلب....“

”پچھلی رات کی بات ہے... اشارہ ہوٹل کے قریب والے جنک یارڈ میں تم نے اس پر حملہ کیا تھا۔“

”ہم نہیں جانتے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”مجھ پر کس کے حکم سے حملہ آور ہوئے۔“

سب اور کہاں ملتا ہے۔“

”زیادہ تر کہاں ملاقاتیں ہوتی ہیں۔!“

”سلطان اسٹریٹ میں کیفے خیابان ہے۔ وہیں بلاتا ہے زیادہ تر۔۔۔!“

”تمہارا ساتھی کہاں کام کرتا ہے۔!“

”میں نے مجھے اپنے بدلے میں آج تک کچھ نہیں بتایا اور نہ وہ یہی جانتا ہے کہ میں کہاں کام کرتا ہوں۔!“

”نام تو جانتے ہی ہو گے۔!“

”جواد اے ساگر کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔!“

”اور تمہارا کیا نام ہے۔!“

”ضرغام۔۔۔۔۔ یقین کیجئے کہ میں ان لوگوں میں پھنس گیا ہوں۔ پہلے جواد مجھ سے صرف پیغام

رسانی کا کام لیتا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کبھی مجھے قتل اور مارپیٹ میں بھی ملوث ہونا پڑے گا۔

آپ کی تصویر دی گئی تھی اور گھر کا پتہ بتایا گیا تھا۔!“

”کیا مجھے بھی قتل ہی کر دینے کو کہا گیا تھا۔!“

”جی نہیں۔۔۔۔۔ بس اس حد تک کارروائی کو کہا گیا تھا کہ آپ کچھ دنوں کیلئے اسپتال پہنچ جائیں۔

اگر مجھے یہ معلوم ہو تا کہ آپ کا تعلق خفیہ پولیس سے ہے تو کم از کم میں ہرگز اس چکر میں نہ پڑتا۔!“

”خیر فکر نہ کرو اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔۔۔۔۔ تم یہاں آرام سے رہو گے۔!“

عمران حوالات نمبر تین سے نکل کر پھر حوالات نمبر چار کی طرف چل پڑا۔ اس بار اُس نے یہاں

کے قیدی کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خود اعتمادی رخصت ہو گئی ہو۔

عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔۔۔۔۔ اور وہ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”سے جواد کا پتہ چاہئے ساگر۔۔۔۔۔!“

”مم۔۔۔۔۔ میں نہیں جانتا۔۔۔۔۔!“

”وہ فقیر تمہارے خنجر سے ہلاک ہوا تھا۔ لہذا تم اپنی گردن نہیں بچا سکو گے اور مقتول کوئی

معمولی آدمی نہیں تھا۔ اُس کا تعلق بھی ایک سرکاری محکمے سے تھا اور اس نے کچھ مجرموں کا پتا

لگانے کے لئے فقیر کا بہرہ بھرا تھا۔!“

”مم۔۔۔۔۔ غلط ہے۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ میں نے نہیں۔۔۔۔۔ جج جواد نے اُسے ہلاک کیا تھا۔ ہم نے تو اُسے

آپس میں ایک دوسرے کو کاٹنے بھنبھونڈنے لگے ہیں۔ اب اگر ایسے میں کوئی اور جاندار ان کے

درمیان پہنچ جائے تو یہ اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔!“

ٹی وی کا سوئچ آف کر کے وہ پوری طرح قیدی کی طرف متوجہ ہو گیا اور بے حد نرم لہجے میں

پوچھا۔ ”کیا واقعی تم گونگے ہو۔!“

”جی نہیں۔۔۔۔۔!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”مجھے یقین تھا اسی لئے تمہیں اس سے الگ کیا تھا۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ پچھلے رات تیسرا کون تھا۔!“

”جواد۔۔۔۔۔!“

”خنجر کس نے مارا تھا۔۔۔۔۔؟“

”جواد ہی نے۔!“

”مجھ پر کس نے حملہ کر لیا تھا۔۔۔۔۔؟“

”جواد ہی نے۔!“

”تمہیں معاوضہ کس سے ملتا ہے۔۔۔۔۔؟“

”جواد ہی سے۔۔۔۔۔!“

”جواد کہاں ملے گا۔۔۔۔۔؟“

”ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ وہ خود ہی ہم سے ملتا ہے۔ کام لیتا ہے اور معاوضہ ادا

کر دیتا ہے۔!“

”لیکن کل رات وہ خود بھی تمہارا شریک کار تھا۔۔۔۔۔!“

”جی ہاں۔۔۔۔۔!“

”اس کا حلیہ بتاؤ۔۔۔۔۔!“

”میرے ہی قد کے برابر ہے میرا جیسا جسم رکھتا ہے۔ ناک پر ایسا نشان ہے جیسے کبھی اسے

کاٹنے کی کوشش کی گئی ہو۔ بائیں بھون بالکل سفید ہو گئی ہے دائیں بالکل سیاہ ہے۔ ڈانڑھی

موجھیں مونڈتا ہے۔!“

”وہ تم سے کس طرح رابطہ قائم کرتا ہے۔!“

”فون پر جناب۔۔۔۔۔ میں کنگ کمپنی میں ملازم ہوں۔ وہ مجھے فون پر اطلاع دیتا ہے کہ اس سے

دے کر روانہ کر دیتا ہے۔ یا خود بھی ہمارے ساتھ ہو لیتا ہے۔“

”اب تک کتنی مار پیٹ اور کتنے قتل ہو چکے ہیں تم دونوں کی مدد سے۔“

”یقین کیجئے جناب عالی کہ یہ پہلا موقع تھا کہ اس قسم کے کسی کام میں ہمیں استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو ہم مال سے بھرے ہوئے ٹرک ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنی نگرانی میں پہنچا کرتے تھے۔“

”کس قسم کا مال....!“

”ہمیں اس کا علم کبھی نہیں ہو سکا۔ مال بند بیٹیوں میں ہوتا ہے۔“

”ٹرک کہاں سے کہاں کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔“

”کسی ایک جگہ سے روانہ نہیں ہوتے.... شہر کے کسی بھی حصے سے روانہ ہو کر اندرون ملک جاتے ہیں۔“

”کئی کئی دن کا سفر ہوتا ہو گا۔“

”جی ہاں....!“

”تو تمہیں اپنے کارخانے سے کس طرح چھٹی مل جاتی ہے۔“

”چھٹی کا انتظام بھی جواد ہی کرتا ہے۔“

”اندرون ملک کہاں کہاں ٹرک لے جاتے ہو۔“

”سبز ہائی وے کے چار سو میل تک ہم جاتے ہیں اور پھر وہاں سے کوئی دوسرا اپنی نگرانی میں ٹرکوں کو آگے لے جاتا ہے۔ اس لئے کم از کم ہم دونوں یہ نہ بتا سکیں گے کہ ان ٹرکوں کی آخری منزل کہاں ہوتی ہے۔“

”معاوضہ کس سے ملتا ہے۔“

”دوسری سے.... جواد کے علاوہ ہم کسی کو نہیں جانتے۔“

پھر ساگر نے جواد کا وہی حلیہ بتایا جو ضرغام بتا چکا تھا۔

”اچھی بات ہے.... ساگر جب تک ہماری تقیش مکمل نہیں ہو جاتی۔ تم یہیں رہو گے۔“

عمران نے اُس سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد عمران صفدر کے کمرے میں داخل ہو کر بولا۔

”نعمانی اور صدیقی کو بھی یہیں بلاؤ....!“

صرف گھیرا تھا۔“

”قتل کرنے کے بعد اس کی جامہ تلاشی تم نے لی تھی۔“

”نہیں تو.... وہ گرا تھا اور جواد ہی کے کہنے پر ہم وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔“

”جواد نے اُس کی جیب سے کیا نکالا تھا۔“

”مجھے علم نہیں....!“

”خبر بہر حال اگر تم سچ بھی کہہ رہے ہو تو تمہاری گردن اُسی صورت میں بچ سکے گی جب جواد ہمارے ہاتھ لگ جائے۔“

”مم.... میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ملے گا۔“

”دیکھو.... ساگر.... جس طرح گونا گول پڑا ہے اُسی طرح وہ ایک تحریری بیان بھی دے سکتا ہے۔ جس کی رو سے سرکاری افسر تمہارے خنجر سے ہلاک ہوا تھا۔“

”خنجر کے دستے پر میری انگلیوں کے نشانات نہیں ملیں گے۔“

”ضرغام کے بیان کے مطابق تم دستانے پہنے ہوئے تھے۔“

”یقیناً.... اُس وقت جواد نے دستانے پہن رکھے تھے۔“ ساگر جلدی سے بولا۔

”بہر حال.... ضرغام کے بیان پر تم کہیں کے کہیں پہنچ سکتے ہو۔“

ساگر تھوک نکل کر رہ گیا۔ عمران اُسے بغور دیکھے جارہا تھا۔ دفعتاً ساگر نے کہا۔ ”میں نہیں جانتا کہ جواد کہاں رہتا ہے۔“

اور پھر جواد کے بارے میں اُس نے بھی وہی بیان دیا جو ضرغام دے چکا تھا۔ عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”تمہارا اصل پیشہ کیا ہے اور ان لوگوں سے تمہارا رابطہ کس طرح ہوا تھا۔“

”میں نیشنل انجینئرنگ ورکس میں فورمین ہوں۔ ایک بار مجھ سے ایک بڑی غلطی سرزد ہوئی تھی خدشہ تھا کہ ملازمت ہی سے ہاتھ دھو بیٹھوں کہ ایک اجنبی کی ٹیلی فون کال آئی۔ جس نے مجھے تشفی دی کہ ملازمت پر زوال نہیں آنے دیا جائے گا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں اُس سے مل لوں۔ اُس نے اپنی نشانی بتا کر کہا تھا کہ میں اس سے سلطان اسٹریٹ کے کیفے خیابان میں مل سکتا ہوں۔“

”ہوں....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اس کے بعد بھی وہیں ملتا رہا ہے۔“

”جی ہاں.... جب بھی کوئی مہم درپیش ہوتی ہے وہیں طلب کرتا ہے۔ یا صرف ہمیں ہدایات

پہچانے کے لئے جو اد نے انہیں ہدایت دی تھی کہ اس حد تک ٹوٹ پھوٹ ہوئی چاہئے کہ میں کچھ دنوں کے لئے ہسپتال پہنچ جاؤں۔“

”بات سمجھ میں نہیں آئی....!“ نعمانی بولا۔

”انتقامی کارروائیاں اسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔“ عمران صفدر کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”کیا تم نواب شاکر علی شاطر کو بھول گئے۔ ہو سکتا ہے یہ انتقامی کارروائی اسی کی طرف سے ہوئی ہو۔“

”لیکن آپ دارا کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر نواب شاطر کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہوتا تو دارا کبھی اُس کشتی کے لئے فریقین کی حوصلہ افزائی نہ کرتا۔“

”ہو سکتا ہے کہ دارا کو اس کا علم ہی نہ ہو کہ نواب شاطر بھی اس گروہ سے متعلق ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے ساگر اور ضرغام، جو اد کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتے۔“

”سوال تو یہ ہے کہ اس کیس کا ہمارے محکمے سے کیا تعلق....!“ جولیا بول پڑی۔ ”مجھے تو یہ سول پولیس سے آگے کی بات نہیں معلوم ہوتی۔“

”یہ میرا نئی کیس ہے۔“ عمران نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

لفظ نجی پر جولیا ہڑک اٹھی۔ لیکن عمران اُس کی طرف توجہ دیئے بغیر اُن تینوں سے بولا۔

”صفدر تم کیسے خیابان کو دیکھو نعمانی کنگ کمپنی پر نظر رکھیں گے اور مسٹر صدیقی تم نیشنل انجیرنگ ورکس کو دیکھو گے۔ جو اد کا حلیہ اچھی طرح ذہن نشین کر لو....!“

وہ ضرغام اور ساگر کا بتایا ہوا حلیہ ایک بار پھر دہرانے لگا۔ اس کے بعد وہ تینوں اٹھ کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ لیکن جولیا اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں تھی۔ بیٹھی عمران کو اس طرح گھورے جا رہی تھی جیسے دوسرے ہی لمحے میں جھپٹ پڑے گی اور عمران کے رویے سے اب بھی ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اُسے کمرے میں جولیا کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

”تم خود ہی اپنی قبر کھود رہے ہو۔“ جولیا نے کچھ دیر بعد کہا اور عمران اس طرح اچھل پڑا جیسے سر پر کوئی چیز گری ہو۔

ہو نقوں کی طرح جولیا کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا ”کیا میں نے تمہیں کوئی کام نہیں بتایا تھا۔!“

”مجھے باتوں میں نہیں اڑا سکتے۔ سمجھے۔!“ جولیا اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

”سوال یہ ہے کہ مجھے تمہیں باتوں میں اڑانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔!“

صفدر نے فون پر دونوں سے رابطہ قائم کر کے اپنے کمرے میں پہنچنے کو کہا لیکن اُن سے پہلے جو لیانا فنر واٹر پہنچ کر عمران کو گھورتی ہوئی بولی۔ ”سنا ہے کہ آج تم مرتے مرتے بچے ہو۔“

”آج ہی پر کیا منحصر ہے۔ جب سے پیدا ہوا ہوں۔ بچتا ہی آرہا ہوں۔ لیکن اس وقت یہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔!“

”میں انچارج ہوں۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ ”میرے علم میں لائے بغیر سائیکو مینشن میں کوئی کام نہیں ہو سکتا۔!“

”کو بھی.... کمال ہو گیا۔!“ عمران صفدر کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”یہ ایکس ٹو کے احکامات کو غلط سمجھی ہیں۔!“

”کیا مطلب....!“ جولیا نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

”ایکس ٹو کا مطلب یہ تھا کہ سائیکو مینشن میں میری موجودگی کے دوران میں تم صرف باور چیخانے کی انچارج ہوگی۔ لہذا جاؤ اور چار افراد کے لئے کافی بھجوا دو.... شکریہ۔!“

وہ جھلا کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ نعمانی اور صدیقی کمرے میں داخل ہوئے اور پھر عمران ایسا بن گیا جیسے اُسے وہاں جولیا کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔ لیکن وہ بھی وہاں سے ٹلی نہیں تھی۔ ایک کرسی کھینچ کر خود بھی میز کے قریب ہی جم گئی۔

عمران ساگر اور ضرغام کی روداد دہراتا ہوا بولا۔

”اس طرح تین جگہیں ہمارے علم میں آئی ہیں۔ کیسے خیابان کنگ کمپنی اور نیشنل انجیرنگ ورکس؟“

”دارا کافی باؤز کو آپ بھولے جا رہے ہیں۔!“ صفدر بولا۔

”وہ تو ہے ہی لسٹ پر....!“ عمران نے کہا۔

”لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ آپ نے اُن دونوں کو اچانک باسٹر رشید پر حملہ کرنے والوں کی حیثیت سے کیسے پہچان لیا۔“ صفدر نے تھیر آ میز لہجے میں کہا۔

”محض قیاس تھا جو حقیقت بن گیا ورنہ اندھیرے میں ان کی شکلیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔!“

”اب سوچنے کی بات ہے یہ کہ اس وقت انہوں نے آپ پر حملہ کیوں کیا....؟ کیا انہوں نے پچھلی رات آپ کو باسٹر رشید کا تعاقب کرتے دیکھا تھا۔!“

”میرا خیال ہے کہ نہیں ورنہ اس وقت وہ مجھے مار ڈالنے کے لئے حملہ آور ہوتے۔ محض ہسپتال

”تم ان کے نرم رویے پر نہ جاؤ۔ تمہاری عدم موجودگی میں یہ سب جس انداز میں تم سے متعلق گفتگو کرتے ہیں.....!“

”مجھے علم ہے۔!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ بہر حال انہیں وہ سب کچھ کرنا ہی پڑتا ہے جو میں کہتا ہوں۔!“

”تم آخر کیوں ادھر ادھر کے دباں سینٹے پھرتے ہو.....؟“

”خود نہیں سینٹا۔ بلکہ یہ فتنے خود ہی سنٹ سنا کر میرے سر آ پڑتے ہیں۔!“

اتنے میں فون کی کھٹی بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز آئی۔ ”سی آئی بی کے انسپکٹر شاہد نے جوزف کو حراست میں لے لیا ہے۔!“

”اچھی بات ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔!“ کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا اور پھر کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائل کئے۔ وہ آفس سے اٹھ چکا تھا۔ گھر پر رگ کیا۔ کال فیاض ہی نے ریسیو کی تھی۔

”انسپکٹر شاہد نے جوزف کو حراست میں لے لیا ہے۔!“ عمران نے کہا۔

”وہ تو ہوتا ہی تھا۔“ فیاض نے خشک لہجے میں کہا۔

”اچھا تو سنو کہ اب کیا ہوتا ہے۔ اگر اس پر ذرہ برابر بھی تشدد کیا گیا تو تم سبھوں کی مٹی پلید کر دوں گا۔ اسے لکھ لو۔ قبلہ والد صاحب بھی اس معاملے میں آڑے نہ آسکیں گے۔!“

پھر اس نے اس سے کچھ سنے بغیر رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

جولیا اسے حیرت سے دیکھتی رہی تھی۔ آخر بے حد نرم لہجے میں بولی۔ ”بات کیا ہے۔ مجھے بھی بتاؤ۔“

”اب تو بتانا ہی پڑے گا کیونکہ شائد اب میں پورے محکمے کو استعمال کر بیٹھوں۔!“ عمران نے کہا اور اُسے جوزف اور سلیمان کی اس بیہودگی کے بارے میں بتانے لگا جس نے اب ایک خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔

جولیا کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور عمران اُسے گھورتا ہوا غرایا۔ ”تم بھی ہنس رہی ہو۔!“

”تم سے تعلق رکھنے والے ہمارے افراد بھی تمہی جیسے ہو کر رہ گئے ہیں۔!“ جولیا ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

”اچھی بات ہے جب تک ہنسی آئے ہنستی رہو.....!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”بیٹھو..... بیٹھو.....!“ جولیا ہاتھ ہلا کر بولی۔ ”انسپکٹر شاہد کے خلاف میرے پاس خاصا مواد

ہے۔ شائد تم اسے ایکسپلائٹ کر سکو.....!“

”اوہو..... تو بتاؤ نا.....!“

مگر اس نے جوزف کو حراست میں لیا ہے تو ابھی آفس ہی میں ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ تھرڈ ڈگری استعمال کرنے کی فکر میں ہو۔ لہذا تم اس سے فون پر رابطہ قائم کر کے صرف اتنا کہہ دو کہ گیارہ اپریل کو بیوا سٹار کی مالکہ سے اس کا جو زبانی معاہدہ ہوا تھا اس کا ریکارڈ ڈیپ تمہارے پاس موجود ہے۔“

”کیا واقعی ایسی کوئی بات ہے۔!“

”ہاں..... حقیقتاً..... تم آزما سکتے ہو اس دھمکی کو.....!“ جولیا نے کہا۔

عمران نے شاہد کے آفس کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے کوئی اور بولا تھا عمران نے انسپکٹر شاہد کے لئے کہا۔

”ہولڈ آن کیجئے..... پور آئیڈنٹی پلیز.....!“

”علی عمران.....!“

”بہتر جناب.....!“

”تھوڑی دیر بعد شاہد کی آواز آئی اور اس نے عمران کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہا۔“ میں بے تصور ہوں جناب..... حکم حاکم مرگ مفاجات.....!“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم تھرڈ ڈگری سے احتراز کرو گے۔!“

”بالکل جناب یہ ایک قطعی ضمنی سی کلرروائی ہے اگر آپ چاہیں تو جوزف سے بھی گفتگو کر سکتے ہیں۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ فیاض کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ کالوں کی بستی میں چلے جاؤ۔“

جوزف کے کئی ہمشکل مل جائیں گے۔“

”کیا ہاں..... یہی تو میں بھی سوچ رہا تھا۔ مگر بڑے صاحب کچھ سننے ہی نہیں کیا کروں۔ بہر حال جوزف کو دو ایک گھنٹے روک کر چھوڑ دوں گا۔ آپ مطمئن رہیں اور تھرڈ ڈگری کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!“

”شکریہ.....!“ کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔

”بہر حال دھمکی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔“ عمران نے جولیا سے کہا۔ ”ویسے ہی وہ خاصا سعادت مند ہو رہا ہے۔!“

”کیپٹن فیاض کے خلاف بھی میرے پاس مواد ہے۔“

”پھر کسی موقع کیلئے اٹھا رکھو... میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ کسی کو بلیک میل نہ کرنا پڑے۔“

”میں آج تک نہیں سمجھ سکی کہ کیپٹن فیاض تم سے کیوں اس قدر الجھتا رہتا ہے جبکہ اس کی یہ

رفتار ترقی میں تمہارا ہی ہاتھ رہا ہے۔“

عمران ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ ”تم نہیں سمجھیں۔“

”نہیں میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آئی۔“

”جب وہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور سپرنٹنڈنٹ تھا تب میری خوشامد کیا کرتا تھا۔ اب دھو لہر دھڑلے سے کام نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دشمن نہیں ہے میرا۔ اب خوشامد کرتے ہوئے شروع

آتی ہے۔ ڈپٹی ڈائریکٹر ہو گیا ہے نا۔“

”تم ہی برداشت کرتے ہو۔ تمہاری جگہ میں ہوتی تو اب تک اسکی ہڈیاں بھی خاک ہو چکی ہوتیں۔“

”اے نہیں ایسا بھی کیا.... یہ سب میری دلچسپی کی چیزیں ہیں۔“

”بہر حال.... یہ اسگنگ وغیرہ کا چکر ہے۔ ہمارے محکمے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ عمران نے بڑے تھکر لہجے میں کہا۔ پھر یک بیک چونک کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں

ابھی آیا۔“

صنذر کے کمرے سے نکل کر وہ سیدھا حوالات نمبر تین کی طرف آیا جہاں ضرغام کو رکھا گیا تھا۔

عمران کو دیکھ کر وہ اٹھ گیا اور عمران نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔ ”تمہیں کسی چیز کی

ضرورت تو نہیں ہے۔“

”جی نہیں.... شکریہ۔“

”مجھ پر حملہ کرنے کی ہدایت اُس نے تمہیں کیفے خیابان میں طلب کر کے دی تھی۔“

”مجھے تو یہ سب کچھ ساگر سے معلوم ہوا تھا۔ آپ کی تصویر بھی اُسی نے دکھائی تھی۔“

”تو گویا اس نے صرف ساگر کو کیفے خیابان میں طلب کیا تھا۔“

”جی ہاں....“

عمران نے پھر اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہاں سے وہ حوالات نمبر چار میں پہنچا۔ ساگر

ایک گوشے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ عمران کی آہٹ پر چونک پڑا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔“ عمران نے نرم لہجے میں کہا۔ ”صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ

میرے سلسلے میں جواد سے کہاں ملاقات ہوئی تھی۔“

”آپ کے سلسلے میں ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ فون پر پیغام ملا تھا کہ میں کیفے خیابان کے

منجر سے ملوں۔ وہ مجھے ایک لفافہ دے گا جس میں درج شدہ ہدایات پر عمل کیا جائے۔ اسی لفافے

میں آپ کی تصویر تھی اور پتا وغیرہ تحریر کیا گیا تھا۔“

”ہوں....“ عمران پر تھکر لہجے میں بولا۔ ”ایک بات اور.... یہ بڑی غیر فطری سی بات ہے

کہ تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو کہ اُن چیٹیوں میں کیا ہوتا ہے جنہیں تم ایک جگہ سے

دوسری جگہ پہنچاتے ہو۔“

”آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔ کبھی کبھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ معلوم کیا جائے لیکن پھر ہمت

نہیں پڑتی۔ وہ خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں جناب ہمیں ہر وقت اپنی جانوں کا خطرہ رہتا ہے۔“

”یہ بھی قدرتی بات ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اچھا یہ بتاؤ اس سے پہلے بھی کبھی تمہیں کیفے

خیابان کے منجر کے توسط سے کچھ ملا تھا۔“

”کبھی نہیں جناب.... یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے ہمیشہ جواد نے بہ نفس نفیس ہم سے

گفتگو کی تھی۔“

”ہوں....“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اچھی بات ہے کوشش کی جائے گی کہ تم دونوں کو مقدمہ

تقل میں ملوث نہ کیا جائے۔“

”بہت بہت شکریہ جناب... ہمارے لئے یہ پہلا موقع تھا ورنہ ہم صرف مال پہنچاتے رہے تھے۔“

”تمہارے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہوں گے۔“

”یہاں سے تو صرف ہم ہی مال لے جاتے تھے چار سو سو میل پر دوسرے اسکی دیکھ بھال کرتے تھے۔“

”چار سو سو میل سے تمہاری واپسی کس طرح ہوتی ہے۔“

”مال کا چارج سنبھالنے والے خالی ٹرک میں وہاں پہنچتے ہیں اور ہم اس خالی ٹرک کو لے کر شہر

والیں آ جاتے ہیں۔“

”خالی ٹرک کس کے سپرد کرتے ہیں۔“

”کسی کے بھی نہیں۔ جہاں سے بھرے ہوئے ٹرک جاتے ہیں وہیں ہم خالی ٹرک چھوڑ کر

اپنے ٹھکانوں پر آجاتے۔“

عمران نے اُن جگہوں کی تفصیل پوچھی تھی جہاں سے ٹرک روانہ ہوتے تھے۔ پندرہ منٹ بعد اُس نے اپنی نوٹ بک بند کی اور حوالات سے باہر نکل آیا۔



کیفے خیابان کے قریب عمران نے صفدر کو تلاش کر لیا تھا اور اُسے مزید ہدایات دے رہا تھا۔
”کیفے کے فیجر پر بھی تمہیں نظر رکھنا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ان معاملات میں ملوث معلوم ہوتا ہے۔ میرے سلسلے میں ان دونوں قیدیوں کو اُسی سے تحریری ہدایات ملی تھیں۔ جو بذات خود اُن سے نہیں ملتا تھا۔“

”اچھی بات ہے میں اُس پر بھی نظر رکھوں گا۔“ صفدر نے کہا۔

پھر عمران نے نعمانی اور صدیقی کو بھی چیک کیا۔ لیکن انہیں بھی ابھی تک جواد کے ملے پر پورا اُترنے والا کوئی شخص نظر نہیں آیا تھا۔

قریباً نو بجے رات کو وہ ایک بار پھر دارا کا فی ہاؤز میں جا پہنچا۔ فی الحال دارا ہی کی شخصیت ایسی تھی جس کی طرف خصوصی توجہ دی جاسکتی تھی۔ ہر چند کہ اُس کی حیثیت بھی ثانوی ہی معلوم ہوتی تھی لیکن پھر بھی اُس کے توسط سے آگے بڑھنے کے امکانات روشن تھے۔

دارا اپنے آفس میں موجود تھا۔ اُس نے خاصے پرست انداز میں عمران کا استقبال کیا۔

”نواب صاحب کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔“ عمران نے کہا۔

”مجھے علم نہیں۔ اُن کے ساتھی انہیں اٹھوا کر لے گئے تھے۔ غالباً کسی ہسپتال میں داخل کر دیا

ہے میرے بلائے ہوئے آدمی سے انہوں نے ٹریٹ منٹ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ مجھے بھی دھمکیاں دے گئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ آپ میرے ہی بلائے ہوئے یہاں

آئے تھے اور مقصد نواب صاحب سے الجھنا تھا۔“

”لاحول ولا قوۃ....!“ عمران سر ہلا کر رہ گیا۔

”لیکن مجھے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔ میں خود نہیں چاہتا کہ فضول قسم کے لوگ یہاں آئیں ایسی ادبی اور سیاسی بحثیں ہوتی رہتی ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔ ایک ایک کپ کافی لے کر گھنٹوں میزیں گھیرے رہتے ہیں۔“

”یہ تو واقعی آپ کے بزنس کے لئے بھی بُرا ہے۔“

”جی ہاں بالکل.... لیکن کیا کروں بے مروتی نہیں ہو پائی مجھ سے۔“

”بہر حال میں نواب شاطر کی عیادت کرنا چاہتا تھا۔ خواہ وہ کیسا ہی آدمی کیوں نہ ہو۔“

”میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ عمران صاحب۔ اُن لوگوں سے دور ہی دور رہنا بہتر ہوتا

ہے۔ بار سوخ اور غنڈے قسم کے لوگ ہیں۔“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ دارا نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

”دارا اسپیکنگ....!“

پھر وہ دوسری طرف کی بات بغور سنتا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں عمران کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ان میں کبھی کبھی استعجاب کی جھلکیاں بھی ملتی تھیں۔ بالآخر اس نے ”بہت بہتر“ کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور طویل سانس لے کر رومال سے اپنی پیشانی تھپکنے لگا۔

”کیا کوئی بُری خبر تھی۔“ عمران نے یگانگت کا اظہار کرنے کے سے انداز میں پوچھا۔

”ہاں مسٹر عمران....!“ وہ غناک لہجے میں بولا۔ ”میں ایک بد نصیب انسان ہوں۔ میری

بیوی پندرہ سال سے لاپاجوں کی سی زندگی بسر کر رہی ہے۔ اُس پر مستزاد یہ کہ بے ہوشی کے

دورے بھی پڑنے لگے ہیں۔ ابھی گھر سے اطلاع آئی ہے کہ اس کی حالت بہت خراب ہے۔“

”مجھے بے حد افسوس ہوا۔ میرے لائق کوئی خدمت مسٹر دارا۔“

”اگر گاڑی ہو تو مجھے گھر تک پہنچادیں۔ میری گاڑی گیراج میں ہے اس وقت کنوینس نہیں ملے گی۔

”ضرور ضرور مسٹر دارا....!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

دونوں باہر آئے۔ عمران نے اس کے لئے اگلی ہی سیٹ کا دروازہ کھولا اور خود گھوم کر

ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

”کس طرف مسٹر دارا....!“

”موزل ٹاؤن کی طرف....!“ دارا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

عمران نے انجن اشارت کر دیا۔ گاڑی حرکت میں آئی ہی تھی کہ پچھلی نشست سے آواز

آئی۔ ”بندرگاہ کی طرف۔“

ساتھ ہی عمران کی گدی سے ٹھنڈا الو ہاچک کر رہ گیا۔ کسی ریوالور کی تال تھی۔

”موڈل ٹاؤن کی طرف کیوں نہیں.....!“ عمران نے سوال کیا۔
 ”فضول باتیں کیں تو گردن میں سوراخ ہو جائے گا!“ کچھلی نشست سے کہا گیا۔
 ”کیا قصہ ہے مسٹر دارا.....!“ عمران بولا۔

”خدا جانے مسٹر عمران..... جہاں آپ وہاں میں.....!“
 ”اس نامعقول سے کہئے کہ آپ اپنے گھر پہنچنا چاہتے ہیں۔!“
 ”میں کہتا ہوں کہ خاموشی سے چلتے رہو۔ ورنہ فائر کر دوں گا۔!“

عقب سے آواز آئی اور گردن پر ریوالور کا دباؤ بڑھنے لگا۔ عمران ٹھنڈی سانس لے
 بولا۔ ”اچھا..... لو پھر بند رگاہ ہی کی طرف سہی۔!“

”عمران سوچ رہا تھا کہ اگر دوسری جگہوں کی طرح دارا کافی ہاؤز کی بھی نگرانی پر کسی کو متعین
 کر دیا جاتا تو کم از کم اسے اس کے احوال کی خبر ہو ہی جاتی۔!“
 ”رفقار کم نہیں ہونی چاہئے۔!“ عقب سے آواز آئی۔

پیر میں چھپر کاٹ رہے ہیں۔!“ عمران بولا۔ ”اگر اجازت ہو تو گاڑی روک کر.....!“
 ”چلتے رہو.....!“ عقب سے غراہٹ سنائی دی اور گردن پر ریوالور کا دباؤ مزید بڑھ گیا۔
 ”مسٹر دارا آپ کی خاموشی حیرت انگیز ہے۔!“ عمران نے تیسرے آدمی کی بکواس کو نظر
 انداز کرتے ہوئے کہا۔

”میں کیا عرض کروں مسٹر عمران آپ ہی کی وجہ سے میں بھی پھنس گیا ہوں۔ پہلے ہی آپ
 سے کہہ رہا تھا کہ نواب صاحب سے الجھ کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اب اس وقت میری جو حالت
 ہے بیان نہیں کر سکتا۔ پتا نہیں بیوی کس حال میں ہو۔!“
 ”شکر ہے کہ میں غیر شادی شدہ ہوں۔!“ عمران نے کہا۔ ”ورنہ اس وقت بیوی بھی سر پر
 سوار ہوتی۔!“

”میں کہتا ہوں خاموشی سے چلتے رہو.....!“ عقب سے آواز آئی۔

”میں کم رتبہ آدمیوں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ تم خاموش
 رہو۔ ورنہ مسٹر دارا اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں زندگی کی پرواہ کئے بغیر گاڑی کو کسی درخت سے
 بھی ٹکرا سکتا ہوں۔!“

”مسٹر عمران..... پلیز..... ایسی باتیں نہ کیجئے۔!“ دارا کا لہجہ خوفزدہ سا تھا۔
 ”میں تو حقیقتاً یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو آپ کے گھر پہنچا کر خود اس نامعقول آدمی کے ساتھ
 وہاں جاؤں جہاں یہ مجھے لے جاتا چاہتا ہے۔!“ عمران بولا۔

”اپنی زبان درست کر دو.....!“ عقب سے پھر غراہٹ سنائی دی۔
 ”بہت بہتر جناب عالی۔ کیا واقعی آپ نواب شاکر علی شاطر کے غنڈے محترم ہیں۔!“
 ”میں کچھ نہیں جانتا۔ جہاں تمہیں لے جایا جا رہا ہے وہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔!“
 عقب سے آواز آئی۔

”لیکن دارا صاحب کو میرے ساتھ کیوں گھسیٹا جا رہا ہے۔!“ عمران نے کہا۔
 ”میں اب تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔!“

”کیوں مسٹر دارا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔!“ عمران نے سوال کیا۔
 ”میں کیا عرض کروں۔ میری تو عقل ہی خط ہو کر رہ گئی ہے۔“ دارا نے کہا۔

”بہر حال اگر ہم دونوں بھی گفتگو کرتے چلیں تو یہ اندھناک سفر آسان ہو جائے گا۔!“
 ”میرا بولنے کو جی نہیں چاہتا مسٹر عمران۔ شاید میں بھی اس پکر میں آگیا ہوں حالانکہ میرا
 قصور صرف اتنا ہی ہے کہ میں نے آپ دونوں کو سڑک پر رسوا ہونے سے بچا لیا تھا۔ بند کمرے
 میں کشتی کرائی تھی۔ لیکن شاید نواب صاحب مجھے بھی سزا دینا چاہتے ہیں۔!“

”نواب صاحب عجیب و غریب ہیں۔ خود ہی لٹکارا تھا کشتی کے لئے لیکن پٹ جانے پر یہ سب
 کچھ شروء کر دیا۔!“

”میں نے آپ کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔!“
 ”خیر..... خیر..... تو یہ لوگ اب میرے ساتھ کیسا برتاؤ کریں گے۔!“
 ”خدا ہی جانے۔!“

”میرا خیال ہے کہ صرف ہاتھ پیر توڑیں گے۔ جان سے تومارنے سے رہے۔ کیوں مسٹر دارا۔!“
 ”مسٹر عمران۔ آپ میری سمجھ سے باہر ہیں۔!“
 ”سب یہی کہتے ہیں اور میں سوچتا رہا ہوں کہ میرے سینک نکل رہے ہیں یا دم اگ رہی
 ہے۔!“

ہو اور بلیک میلر بھی اور تمہارا بھی ایک اچھا خاصا گروہ ہے۔“

”میں نے کب کہا کہ ایسا نہیں ہے۔“

”تمہاری انہی حرکتوں کی بنا پر مسٹر رحمان نے تمہیں گھر سے بھی نکال دیا ہے۔“

”تمہیں میرے نجی معاملات کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔“ نقاب پوش بولا۔

”اگر مجھے معلوم ہوتا تب بھی نہ بتاتا۔“

”کیا واقعی تم مرنا چاہتے ہو۔“

”مسٹر عمران پلیر۔۔۔!“ دارا خوف زدہ سی آواز میں بڑبڑایا۔

اور عمران اس طرح چونک پڑا جیسے وہاں دارا کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

”اوہ ہاں۔۔۔!“ اس نے نقاب پوش سے کہا۔ ”میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر میرے

ساتھ مسٹر دارا کو کیوں زحمت دی گئی ہے۔“

”محض اتفاق۔۔۔ تم دونوں ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھے ہو گے ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔“

”تو کیا یہ حماقت نہیں ہے کہ تم نے اپنے خلاف ایک اور گواہ بنالیا۔“

”کیا فرق پڑے گا اس سے۔ کیونکہ کچھ دیر بعد یہ عمارت ویران ہوگی جو فی الحال کسی کی ملکیت

نہیں ہے اور یہ سرکاری جنگ یارڈ ہے۔“

”خدا کی پناہ۔۔۔ سرکاری جنگ یارڈ میں ایک معزز شہری کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔“

”عمران بات نہ بڑھاؤ۔ ہم صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔ اس کے بعد ہم

تمہیں جانے دیں گے۔“

اُپر تلنے کے تھانے میں نہ ہوں گے تو ہیڈ کوارٹر کی حوالات میں ہوں گے۔ اگر وہاں بھی نہ

ملے تو یقین کرو کہ اینٹی نارکوٹک والوں کی حوالات میں ضرور ہوں گے۔“

”ان مقامات پر وہ نہیں ملے۔“

”اینٹی نارکوٹک والوں کو بھی دیکھا تھا۔“

”عمران تم ہمیں یہ قوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”حالانکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں بے وقوف بننے کی صلاحیت قطعی نہیں ہے۔ بہر حال جو کچھ میں

”اب بائیں جانب گھماؤ۔۔۔!“ عقب سے آواز آئی۔ وہ بندرگاہ کے علاقے میں پہنچ چکے۔ اور ایک ویران حصے کی جانب گاڑی گھمانے کو کہا گیا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر ایک جنگ یارڈ گاڑی موڑنے کو کہا گیا۔ یہاں چاروں طرف ٹوٹی پھوٹی گاڑیوں کے ڈھانچے بکھرے ہوئے تھے انہی کے درمیان ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کے قریب پہنچ کر گاڑی روکنے کو کہا گیا۔ یہاں اتنی روشنی تھی کہ عمران سب کچھ صاف دیکھ سکا۔ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب ایک نقاب پوش کو نظر آیا جس کے ہاتھوں میں اسٹین گن تھی۔

”دونوں اتر جاؤ۔۔۔!“ عقبی نشست سے آواز آئی۔

”وہ تو ہوتا ہی ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

دونوں کو گاڑی سے اُتار کر عمارت کے اندر لایا گیا۔ یہاں بھی دو نقاب پوش پہلے سے موجود تھے۔ انہیں میں سے ایک مسلح تھا اور دوسرا خالی ہاتھ۔ غیر مسلح نقاب پوش نے گفتگو کا آغاز کیا۔

”تمہارا نام علی عمران ہے اور تم سی آئی بی کے ڈائریکٹر جنرل کے آوارہ بیٹے ہو۔“

”گفتگو تمیز سے ہونی چاہئے ورنہ میری رگوں میں چنگیز خانی خون بھی جوش مار سکتا ہے۔“

عمران نے کہا۔

”کوئی حرکت کی تو جسم چھلنی ہو کر رہ جائے گا۔“ نقاب پوش بولا۔

”چنگیز خان کو اس کی فکر نہیں ہوتی تھی۔“

”سیدھی طرح میری باتوں کا جواب دو۔ ورنہ واقعی تمہاری زندگی محال ہو جائے گی۔ وہ دونوں

آدی کہاں ہیں جنہوں نے آج تم پر تمہارے فلیٹ کے قریب حملہ کیا تھا۔“

”اوہ۔۔۔ اچھا تو یہ دہی چکر ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”کیسا چکر۔۔۔!“

”نواب شاہ علی شاطر کے گر گئے ہو تم لوگ۔۔۔!“

”غیر متعلق باتیں نہ چھیڑو۔ بتاؤ وہ دونوں کہاں ہیں۔“

”نشتے میں تھے دونوں۔۔۔ پہلے حملہ کیا پھر بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر کسی جانب سے دو آدمی

آئے اور انہیں ہتھکڑیاں لگا کر اٹھالے گئے۔ غالباً وہ دونوں اینٹی نارکوٹک والے رہے ہوں گے۔“

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ہم تمہارے پیشے سے بخوبی واقف ہو گئے ہیں۔ تم پولیس انفارمر بھی

”میری فکر نہ کیجئے مسٹر دارا....!“ عمران نے کہا۔ ”پتا نہیں آپ کی اہلیہ کی طبیعت کیسی ہو۔ آپ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائیے۔“ عمران نے کہا۔



نعمانی اس گاڑی کو پہچانتا تھا اور اُسے علم تھا کہ وہ عمران کے استعمال میں تھی۔ جیسے ہی دارا نے اُسے کنگ کمپنی کے دفتر والے فٹ پاتھ سے لگا کر روکا۔ نعمانی تیزی سے اُس کی جانب بڑھا۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید عمران ہی اُس سے کچھ کہنے آیا ہے لیکن عمران کی بجائے ایک اجنبی پر نظر پڑتے ہی ٹھنک گیا۔ دارا نے کنجی اکنیشن ہی میں گلی رہنے دی اور کچھ دور چل کر کسی ٹیکسی کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ نعمانی نے ریوالور بغلی ہو لشر سے کوٹ کی جیب میں منتقل کیا اور بہ آہستگی دارا کے برابر پہنچ کر اس کی نال کمر سے لگا دی۔

دارا چونک کر مڑا اور نعمانی نے آہستہ سے کہا۔ ”اُس گاڑی کی طرف جس سے ابھی اترے ہو اور یہ سائیلنسر لگا ہوا پستول ہے۔!“

”اللہ کا شکر ہے۔!“ دارا جلدی سے بولا۔ ”اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ عمران صاحب کے ساتھی ہیں۔ شاید اسی لئے انہوں نے گاڑی کو کنگ کمپنی کے پاس پارک کرنے کو کہا تھا۔!“

”گاڑی کی طرف پلیز.... وہیں بیٹھ کر بات ہوگی۔!“ نعمانی نے خشک لہجے میں کہا۔

”ضرور.... ضرور.... حالانکہ میں خود بڑی دشواری میں ہوں۔ لیکن بہر حال عمران صاحب کی زندگی بھی بہت قیمتی ہے۔ ہر چند کہ مجھے بھی بہت بڑی دھمکی دی گئی ہے۔!“

”گاڑی میں بیٹھ کر دارا نے شروع سے آخر تک پوری روداد دہرائی تھی اور نعمانی کو اس غارت کا پتا بتایا تھا جہاں وہ پُر اسرار مسلح آدمی اُن دونوں کو لے گیا تھا۔!“

”اس بیان کی تصدیق کیلئے آپ کی موجودگی ضروری ہوگی مسٹر دارا....!“ نعمانی نے کہا۔

”اوہ.... مسٹر عمران نے تو اتنی مہربانی فرمائی تھی اور آپ یہ کہہ رہے ہیں میں کوئی گنہگار آدمی بھی نہیں ہوں کہ کل آپ کو نہ مل سکوں۔ آپ کو گھر کا پتا بھی بتا چکا ہوں اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میرا کافی ہاؤز کہاں ہے۔!“

”اچھی بات ہے.... تو آپ اس گاڑی کو اب اپنے گھر لے جائیے اور اسے وہیں چھوڑ دیجئے گا۔ ہم منگوا لیں گے۔!“

کہہ رہا ہوں اُس پر یقین کرو۔ ویسے میں نواب شاکر علی شاطر کو اتنا بڑا بد معاش ہر گز نہیں سمجھتا تھا۔“

”مسٹر عمران پلیز....!“ دارا پھر بوکھلا کر بڑبڑایا۔

”بد معاش، بد معاش ہی کہلائے گا مسٹر دارا!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”خواہ وہ نواب ہو خواہ شاعر۔!“

”اچھا تو اب ہم تم دونوں کو قتل کر کے یہیں دفن کر دیں گے۔!“ نقاب پوش بولا۔

”درجنوں بار قتل ہو کر دفن ہو چکا ہوں۔“ عمران نے لا پر دہی سے کہا۔ ”میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن میں اسے ہر گز پسند نہیں کروں گا کہ مسٹر دارا کے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ کیا جائے۔!“

”مسٹر دارا کو تم اسی صورت میں بچا سکتے ہو جب ہمارا مطالبہ پورا کر دو....!“

”مائی ڈیئر مسٹر نقاب پوش۔ اگر مجھے تمہارے دونوں آدمیوں کے بارے میں علم ہو تا تو تمہیں بتا کر جلد از جلد مسٹر دارا کو اُن کے گھر پہنچانے کی کوشش کرتا کیونکہ ان کی اہلیہ اچانک سخت علیل ہو گئی ہیں اور میں اس وقت انہیں ان کے گھر ہی پہنچانے جا رہا تھا۔!“

”مسٹر دارا.... آپ جا سکتے ہیں۔!“ نقاب پوش بولا۔ ”گاڑی مسٹر علی عمران کی ہے۔ آپ اسے لے جائیے اور کہیں بھی کسی سڑک پر چھوڑ دیجئے گا۔ لیکن ہمارے متعلق اگر کسی کو بھی بتایا تو ہم آپ کے کافی ہاؤز کو ایک بہت ہی طاقت ور ٹائم بم سے اڑا دیں گے اور یہی صورت آپ کی اقامتی عمارت کی بھی ہو سکتی ہے۔!“

”کیا واقعی یہ نواب صاحب ہی کا معاملہ ہے۔“ دارا نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ ہمارا معاملہ ہے ہم کسی نواب صاحب کو نہیں جانتے۔!“

”آپ جائیں مسٹر دارا....!“ عمران نے لا پر دہی سے سر ہلا کر کہا۔ ”کنجی اکنیشن میں لگی ہوئی ہے۔ گاڑی کو چھتھم روڈ پر چھوڑ دیجئے گا۔ کنگ کمپنی کے سامنے۔!“

”کنگ کمپنی کے سامنے کیوں....؟“ نقاب پوش چونک کر بولا۔

”وہاں سے وہ بہ آسانی میرے گھر تک پہنچ جائے گی۔ میرے ایک دوست کی دوکان وہیں ہے۔ وہ میری گاڑی کو پہچانتا ہے۔!“

”لیکن مسٹر دارا.... تمہاری زبان اس سلسلے میں بند ہی رہے گی ورنہ جو کچھ بھی کہہ چکا ہوں“

محض دھمکی نہیں تھی۔!“

دارا نے عمران کی طرف دیکھا۔

عمران تھوڑی دیر تک اسی کرسی پر بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر کمرے کی روشنی بجھا دی اور اب وہ عمارت کے عقبی دروازے کی تلاش میں وہاں سے چل پڑا۔ دوسرے کمرے کی روشنی بھی بجھائی۔ عقبی دروازہ کچن میں تھا اور وہاں روشنی نہیں تھی۔ کمرے میں اسے دیا سلائی کی ایک ڈبیہ مل گئی تھی۔ اس کے سہارے وہ کچن تک پہنچا تھا۔ اس کے ماتحت شائد باہر کے برآمدے ہی میں تھے ان میں سے کسی کے پاس بھی اسٹین گن نہیں تھی۔ لیکن جنگ یارڈ سے اسٹین گنوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ گویا اس کا اندازہ درست ہی تھا۔ وہ لوگ اپنی دانست میں عمران کے گردہ کے کچھ افراد کو بھی پکڑنا چاہتے تھے تاکہ انہی سے مزید معلومات حاصل کر سکیں۔ عمران سے تو وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم کر سکے تھے جنہوں نے عمران کے فلیٹ کے قریب ہی اس پر حملہ کیا تھا۔

عمران نے بہ آہستگی کچن کا عقبی دروازہ کھولا ہی تھا کہ قریب ہی سے اسٹین گن کے برست مارنے کی آواز آئی۔ لیکن اسٹین گن کا رخ کچن کی طرف نہیں تھا۔ پھر بھی عمران بڑی پھرتی سے فرش پر لیٹ گیا۔ اب وہ ریٹنگتھا ہوا کچن سے باہر نکل گیا۔ اسے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اسٹین گن کا برست کدھر سے مارا گیا ہے۔ کچن سے نکل کر وہ اسی جانب ریٹنگتا رہا۔

اُسے خدشہ تھا کہ بندرگاہ کی پولیس جلد ہی فائر کی طرف متوجہ ہو کر حرکت میں آجائے گی۔ لیکن یہ تو دھماکوں ہی کا سیزن تھا۔ یعنی شب برات کا چاند پچھلے ہی دن دیکھا گیا تھا۔ فضا ہر وقت ہی مختلف قسم کے دھماکوں سے گونجتی رہتی تھی۔ بہر حال یقینی امر نہیں تھا کہ پولیس ان دھماکوں کی طرف متوجہ ہی ہو جاتی اور پھر یہ جنگ یارڈ تو اس علاقے کے پولیس اسٹیشن سے میلوں دور تھا۔ غالباً مجرموں نے اس کھیل کے لئے اس جگہ کا انتخاب اسی بنا پر کیا تھا۔

عمران آہستہ آہستہ ریٹنگتا ہوا اسی جانب بڑھتا رہا جہاں سے اسٹین گن کے چھوٹے چھوٹے برست مارے جا رہے تھے۔

بالآخر اس نے اسے جا ہی لیا۔ وہ بھی کسی سانپ ہی کی طرح پلٹا تھا لیکن اسٹین گن اس کے ہاتھ سے نکل گئی ساتھ ہی عمران کا ہاتھ اس کی بائیں کنپٹی پر پڑا اور وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔

عمران نے بڑی پھرتی سے اس کی ٹائی کھولی اور دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور اپنی ٹائی سے باندھ دیئے۔

”بہت بہت شکریہ جناب....!“ دارا اظہار مسرت کرتا ہوا بولا۔ ”بہت جلدی کیجئے۔ عمران صاحب خطرے میں ہیں۔!“

نعمانی اسے رخصت کر کے اپنی گاڑی کی طرف آیا اور ٹرانس میٹر پر جولیا فائفر واٹر کو کال کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں جولیا سے رابطہ قائم ہو گیا۔ نعمانی نے اسے صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ خود کہاں ہے۔ پھر میں منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ غادر چوہان ظفر الملک اور جیسمن وہاں پہنچ گئے۔ چاروں پوری طرح مسلح تھے۔

دونوں جیسمن بندرگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ نعمانی نے خاص طور پر نظر رکھی تھی کہ ان کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ وہ بہر حال ڈاراک کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ جنگ یارڈ سے خاصے فاصلے پر انہوں نے اپنی جیسمن چھوڑ دیں اور پیدل ہی جنگ یارڈ کی طرف چل پڑے۔

جنگ یارڈ میں اندھیرا تھا۔ وہ دائرے کی شکل میں پھیل گئے اور اس عمارت کے گرد گھیرا جگہ کرنے لگے جس کی کئی کھڑکیاں روشن نظر آرہی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ عمارت کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ پوری عمارت ان کی زد پر تھی اور کسی طرف سے کوئی فرار نہیں ہو سکتا تھا تھوڑی دیر بعد ان میں سے کسی نے صدر دروازے پر پتھر مارا۔ جس کی آواز سنائے میں دور دور تک پھیلی تھی۔ لیکن اس کا کوئی رد عمل ظاہر نہ ہوا۔ نہ تو دروازہ ہی کھلا اور نہ کسی کھڑکی ہی میں دریافت حال کے لئے کوئی کھڑا کھائی دیا۔

ہر قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد وہ بالآخر عمارت پر ٹوٹ پڑے۔

لیکن وہاں کے ایک کمرے میں عمران کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا جو ایک کرسی سے بندھا ہوا بیٹھا تھا۔ عمران انہیں آنکھ مار کر مسکرایا اور نعمانی کے علاوہ بقیہ سب پھر عمارت سے باہر نکل گئے۔ نعمانی عمران کو کرسی کے بلوں سے آزاد کرانے لگا۔

”وہ میرے گردہ کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔!“ عمران آہستہ سے بولا۔ ٹھیک اسی وقت باہر سے فائر کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ عمران نے نعمانی سے کہا۔ ”میں اتفاق سے خالی ہاتھ ہوں۔!“

”تب پھر آپ یہیں آرام فرمائیے.... ہم دیکھ لیں گے۔!“ نعمانی نے کہا اور ریو اور بولسٹر سے نکلتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ایک تو ہاتھ آیا.... اس نے سوچا.... اور زمین پر گری ہوئی اسٹین گن تلاش کرنے لگا۔ وہ ہم جلد ہی ہاتھ آگئی۔

وہ پھر پلانا اور بچن سے گذرنا ہوا صدر دروازے کے قریب آگیا۔ اس کے ماتحت برآمدے سے فائرنگ کر رہے تھے۔

اس نے انہیں اندر ہی سے فائرنگ بند کر دینے کا اشارہ کیا۔ اس کے لئے اس نے مخصوص انداز میں دروازے کو بجلیا تھا۔ ادھر سے فائرنگ بند ہو گئی اور عمران نے دروازہ کھول کر آہستہ سے کہا۔
”کوئی ایک اندر آجائے ان میں سے ایک ہاتھ آگیا ہے اور تم لوگ جب محسوس کرو کہ وہ کسی قدر قریب سے فائرنگ کر رہے ہیں تو تم سب اندر آجانا۔ پھر میں بتاؤں گا کہ اب کیا کرتا ہے۔“

ظفر الملک اندر آکر بولا۔ ”فرمائیے۔“

”میرے ساتھ آؤ....!“ عمران نے کہا۔

وہ اُسے عقبی دروازے سے اس جگہ لایا جہاں اُس کا شکار اب بھی بے ہوش پڑا تھا۔

”اُسے اٹھا کر اندر لے چلو....!“ عمران نے ظفر سے کہا۔

اور پھر خود بھی اس نے اُسکی مدد کی تھی۔ اندر پہنچ کر ظفر نے پوچھا۔ ”یہ کیسے ہاتھ لگ گیا۔“

”بس شامت ہی آگئی تھی اس کی۔“ عمران نے کہا۔ ”سنو ادھر سے فائرنگ بند ہونے کی بنا پر

وہ آہستہ آہستہ عمارت سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ان سبھوں کو اندر لے آؤ اور عقبی

دروازے سے نکل کر انکی پشت پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں برآمدے میں ان کا انتظار کروں گا۔“

”آپ تنہا....!“ ظفر نے حیرت سے کہا۔

”تم لوگوں کے آنے سے قبل بھی ان کے درمیان تنہا ہی تھا۔ تم میری فکر نہ کرو۔“

پھر وہ سب اندر آگئے تھے اور عقبی دروازے سے باہر نکل گئے تھے۔ عمران اسٹین گن لئے

ہوئے برآمدے میں ریگ آیا اور ایک ستون کی آڑ لے لی۔

”بیچھے چلو.... بیچھے۔“ کسی نے کہا۔ ”وہ ادھر سے فرار ہو رہے ہوں گے۔“

عمران نے آواز کی سمت برست مارا اور پھر اُس کے بعد کسی قدر فاصلے سے بھی فائر ہوئے تھے۔

اچانک مائیکروفون پر کہا گیا۔ ”پولیس.... خبردار جو جہاں ہے وہیں ٹھہرے۔“

بیٹری سے چلنے والے ایک مائیکروفون پر بھی عمران نے کیپٹن خاور کی آواز پہچان لی۔

اس کے بعد تو قبرستان کا سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ پندرہ منٹ بعد کئی مار چیں روشن ہو گئی تھیں۔
لیکن ان میں سے ایک کا بھی سراغ نہ مل سکا۔

بس صرف وہی ہاتھ آیا تھا جس پر عمران پہلے ہی قابو پا چکا تھا۔

”نمونے کے لئے ایک ہی کافی ہے۔“ عمران احتیاطاً انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”اُسے لے چلو۔“

”لاٹ صاحب کی طرح فرمان جاری فرمادیا۔“ کیپٹن خاور براسامنے بنا کر بولا۔

”میں نہیں ہوں لاٹ صاحب....!“ عمران بے حد نرم لہجے میں بولا۔ ”لاٹ صاحب وہ

حضرات ہیں جنہوں نے تمہیں یہاں بھیجا ہے۔“

”یار ختم کرو....!“ چوان بولا۔ ”جلدی نکلو یہاں سے کہیں سچ پوچھ لیں نہ متوجہ ہو جائے۔“

انہوں نے قیدی کو اٹھایا تھا اور اُس طرف چل پڑے تھے جہاں گاڑیاں چھوڑ آئے تھے۔

نعمانی عمران کے برابر چل رہا تھا اس نے آہستہ سے کہا۔ ”آپ نے دارا کو ٹھیک جگہ بھیجا تھا۔“

”مجھے یقین تھا کہ صرف تم ہی اُس گاڑی کی طرف خصوصی توجہ دے سکو گے۔ اسی لئے میں

نے اس سے کہا تھا کہ کنگ کمپنی کے پاس گاڑی چھوڑ دے۔“

”شائد دارا کو علم نہیں کہ وہ بھی آپ کی لسٹ پر ہے۔“

”یہی تو خاص بات ہے کہ ابھی تک اُسے شبہ نہیں ہو سکا۔ اسی لئے وہ بیچارہ میرے دکھوں میں

شریک ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔“



قیدی کو سائیکو مینشن بھیجا اور عمران نے فلیٹ کی راہ لی۔ جوزف موجود تھا عمران کو دیکھتے ہی

بٹنے لگا۔

”کیا رہی....!“ عمران نے پوچھا۔

”کچھ نہیں باس.... وہ بیچارہ انسپکٹر تو بہت اچھا آدمی ہے اس سے پہلے بھی کئی بار میری اس کی

ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ خوب کھلایا پلایا اس نے مجھے.... اور کہہ رہا تھا کہ اگر سیکنڈ شو میں کوئی فلم بھی

دیکھنا چاہوں تو وہ میرا ساتھ دے سکے گا۔“

”پوچھا کیا تھا اُس نے....!“

”بس یہی کہ کیا مسٹر عمران نے کسی کی نگرانی کرنے کے لئے تمہیں وہاں فقیر کے بھیس میں

”کسی وقت کافی ہاؤز بھی آپ تشریف لارہے ہیں۔!“
 ”کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ویسے سوچ رہا ہوں کہ اسپتال جا کر نواب صاحب کی خیریت دریافت کر آؤں۔!“

”کیا اس کے کچھ آدمی آپ کے قابو میں آگئے ہیں۔!“ دارا نے پوچھا۔
 ”ہاں.... لیکن وہ بیچارے نہیں جانے کہ کس کے لئے کام کر رہے ہیں۔!“
 ”بڑی عجیب بات ہے۔ کوئی خوفناک گروہ معلوم ہوتا ہے۔!“
 ”دیکھا جائے گا۔!“ کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد اُس کی ٹو سیٹر ایسے راستوں سے گذر رہی تھی جن پر وہ تعاقب کرنے والوں پر آسانی نظر رکھ سکتا تھا۔ بہر حال پوری طرح مطمئن ہو جانے کے بعد کہ اس وقت اُس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا وہ سائیکو مینشن کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔
 حالات نمبر دو میں اُس قیدی کا سامنا ہوا جو پچھلی رات ہاتھ لگا تھا۔ عمران پر نظر پڑتے ہی کسی رندے کی طرح غرائے لگا۔

”زیادہ اونچاڑنے کی کوشش مت کرو۔“ عمران نے نرم لہجے میں کہا۔ ”تمہارے لباس کی پہنچ یہاں تک نہیں ہو سکتی۔!“
 ”کون لباس... کیسا لباس... میں ایک امن پسند شہری ہوں۔ مجھے جس بیجا میں کیوں رکھا گیا ہے۔!“
 ”اس لئے کہ ایک ایشین گمن پر تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں جس کا پرمٹ تمہارے پاس نہیں ہے۔!“

”وہ ایشین گمن زبردستی میرے ہاتھ میں تھما دی گئی تھی۔!“
 ”تم اس وقت کسی عدالت کے سامنے جواب دہی نہیں کر رہے اور نہ پولیس والوں کی تحویل میں ہو کہ ریمانڈ لئے بغیر تمہاری چوڑی نہیں ادھیڑی جاسکے گی۔!“
 ”پھر تم کون ہو....!“

”وہی جو تم ہو۔ اگر تمہارے پاس نے مجھے اپنے برنس میں حصہ نہ دیا تو کیس بنا کر تم لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ یہی میرا پیشہ ہے اور تمہیں میری طاقت کا اندازہ تو ہو ہی گیا ہو گا کہ ابھی تک میرے گروہ کا کوئی آدمی تم لوگوں کے ہاتھ نہیں لگ سکا کشم کے ایک انسپٹر کو مار کر تم

متعین کیا تھا۔ میں نے کہا ہر گز نہیں۔ باس تو تقریباً پندرہ دن سے فلیٹ ہی میں نہیں آئے۔ اگر نے کہا کہ وہاں میرے ہی جیسا ایک فقیر دیکھا گیا تھا۔ میں نے کہا دیکھنے والے کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ کالوں کی بستی میں مجھ سے مشابہت رکھنے والے بہتیرے مل جائیں گے۔ بس اتنی سی باتیں پھر ہنسی مذاق۔ کھانا پینا اور اُس کے بعد وہ خود ہی مجھے یہاں چھوڑ گیا تھا۔!“
 ”ٹھیک ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

دوسری صبح اس نے سائیکو مینشن فون کیا اور تیسرے قیدی کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کی۔
 ”اس سے ابھی تک کچھ نہیں پوچھا گیا۔!“ حالات کے انچارج نے جواب دیا۔
 ”ٹھیک ہے۔ میں خود ہی آکر دیکھوں گا۔!“ عمران نے کہا اور رابطہ منقطع کر کے دارا کے گھر کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف کسی اور نے کال ریسیو کی تھی۔ عمران نے اپنا نام بتا کر دارا سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

جلد ہی دارا کی آواز سنائی دی۔ ”شکر ہے عمران صاحب وہ تو آپ کے ساتھی نے منع کر دیا تھا ورنہ میں وہاں سے سیدھا پولیس اسٹیشن جاتا۔!“
 ”محترمہ کی طبیعت اب کیسی ہے۔!“ عمران نے پوچھا۔

”خدا کا شکر ہے حالت سنبھل گئی ہے۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں عمران صاحب۔ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ نواب شاکر علی اتنا زبردست بد معاش نکلے گا۔ باقاعدہ گروہ بنا رکھا ہے ظالم نے۔!“
 ”فکر نہ کیجئے.... میں دیکھ لوں گا۔!“ عمران نے کہا۔ ”بس آپ پچھلی رات والے واقعے کا کسی سے ذکر نہ کیجئے گا۔!“

”کمال ہے عمران صاحب.... آپ کتنے بڑے خطرے سے دوچار ہوئے تھے لیکن آپ نے پولیس تک کو اطلاع نہیں دی۔!“
 ”میرے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں مسٹر دارا۔ اگر نواب صاحب نے مجھے اپنے برنس میں شریک نہ کیا تو یقیناً ان کے ہاتھوں میں جھٹکیاں ہوں گی۔!“

”خدا کی پناہ....!“
 ”بس اب آپ اپنی زبان بند رکھئے گا۔!“
 ”یقیناً مسٹر عمران.... میں آپ کے مشورے کے بغیر اس معاملے میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤں

نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ مجھے یا میرے گروہ کو بھی مرعوب کر سکو گے۔“
اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن صرف ہونٹ مل کر رہ گئے۔ عمران براہ راست اس کی آنکھوں
دیکھ رہا تھا۔

”تت.... تم کیا چاہتے ہو....!“ وہ بلا آخر بولا۔

”تمہارے سربراہ کا پتہ....!“

”کوئی بھی نہیں جانتا۔ کسی نے بھی اُسے نہیں دیکھا۔“

”لیکن مجھے تو میرے سبھی ساتھی جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی اُن پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔“

وہ تھوک نگل کر رہ گیا۔ عمران نے سوال کیا۔ ”تمہیں کس سے احکامات ملتے ہیں۔!“

”جواد سے.... لیکن وہ ہمارا سربراہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود بھی اس سے خائف رہتا ہے۔“

”یہ جواد کون ہے....؟“

”یہ تو ہم نہیں جانتے۔ لیکن باس کے احکامات اُسی کے توسط سے ملتے ہیں۔!“

”میرے سلسلے میں اُس نے کیا کہا تھا۔!“

”یہی کہ تمہیں اس طرح گھیرا جائے کہ تمہارے ساتھ ہی ساتھ تمہارے گروہ کے بھی کچھ

لوگ ہاتھ آجائیں۔!“

”کیا وہ تم لوگوں میں آکر تم سے گفتگو کرتا ہے۔!“

”ہاں.... لیکن کل اس نے سارے احکامات فون پر دیئے تھے۔!“

”وہ کہاں مل سکے گا۔!“

”ہمیں جہاں ملتا ہے اُس جگہ کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ رہتا

بھی وہیں ہو گا۔!“

”کہاں ملتا ہے....!“

”سلاہو پڑے میں رحمت بلڈنگ ہے اُسکے فلیٹ نمبر بیالیس میں ہمیں طلب کر کے کام بتاتا ہے۔“

”وہاں تو زیادہ تر مزدور رہتے ہیں۔!“

”اُس کا حلیہ بھی مزدوروں ہی جیسا ہوتا ہے۔!“

”کیا وہ میرا پیغام تمہارے باس تک پہنچا سکے گا۔!“

”میرا خیال ہے کہ صرف وہی یہ کام کر سکے گا۔!“

”تمہارے ذمے کیا کام ہے۔!“

”ہمیں اُن جہازوں پر سے سامان لانا پڑتا ہے۔ جنہیں برتھ نہ ملنے کی بناء پر گہرے پانی میں رکنا

پڑتا ہے۔ کبھی کبھی گہرے پانی سے گذرتے ہوئے جہازوں پر سے بھی ہمارے لئے مال اتارا جاتا ہے

ہم پٹیاں وہاں سے لا کر بتائے ہوئے گوداموں میں رکھوا دیتے ہیں۔!“

ایسے تین گوداموں کے پتے اس نے عمران کو لکھوائے اور جواد کا وہی حلیہ بتایا جو ساگر اور

نمر نام بتا چکے تھے۔

”جہاز سے اتارے جانے والے مال کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔!“ عمران نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

”اس کا علم ہم میں سے کسی کو بھی نہیں۔!“

”اچھی بات ہے اب تم آرام کرو....!“ عمران نے کہا۔

”میرا حشر کیا ہو گا۔!“

”اگر تمہارے باس نے میرے مطالبات مان لئے تو پھر تمہارے لئے کوئی خدشہ نہیں۔ نہ مانے

میرا گروہ تو ہے ہی۔!“

”تو پھر یہ بھی بن لیجئے کہ جواد بے حد خطرناک آدمی ہے۔ ریولور نکالنے میں جس پھرتی کا

ظاہر کرتا ہے اس کا جواب نہیں ہے۔ ایک ماہر خنجر باز ہے۔ ہم سب اس سے خائف رہتے ہیں۔!“

”اور وہ باس نہیں ہے....؟“ عمران نے سوال کیا۔

”خدا ہی جانے.... وہ کہتا یہی ہے.... بارہا کہہ چکا ہے کہ آخری آدمی سے وہ خود بھی واقف

نہیں ہے۔!“

”اب تم اپنا نام بھی بتادو.... اور یہ بھی بتاؤ کہ بظاہر تمہارا پیشہ کیا ہے۔!“

”غفران.... اور میں نیشنل انجینئرنگ ورکس میں ملازم ہیں۔!“

”وہاں کے فورمین ساگر کو جانتے ہو۔!“

”جی ہاں.... کیوں نہیں۔!“

”کیا اس کا تعلق بھی تمہارے گروہ سے ہے۔!“

”نہیں جناب وہاں کا ہر فرد گروہ سے تعلق نہیں رکھتا۔!“

”اچھا اب اپنے ان ساتھیوں کے بارے میں بتاؤ جو پچھلی رات تمہارے ساتھ تھے۔“
 ”نہ ہم ایک دوسرے کے ناموں سے واقف ہیں اور نہ ایک دوسرے کے ٹھکانوں سے واقف ہیں۔ جواد ہمیں فردافرو انون کر کے سادھو پاڑے والے فلیٹ میں اکٹھا کرتا ہے اور جو کام ہوتا ہے وہیں اس کے بارے میں ہمیں ہدایات مل جاتی ہیں۔“
 ”بڑا خوبصورت طریقہ ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اگر پکڑے جاؤ تو خود جہنم رسید ہو جاؤ اور اس کا بال بھی بریکانہ ہو سکے!“

غفران بر اسامہ بنا کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔
 ”تھوڑی دیر بعد عمران صفدر کے کمرے میں بیٹھا اسے دعوت فکر دے رہا تھا کہ وہ جواد کی شخصیت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔“
 ”مجھے تو سامنے کی بات لگ رہی ہے۔“ صفدر پر نظر لہجے میں بولا۔

”نواب شاطر ہی جواد کا بہروپ بھرتا رہا ہے۔ کیونکہ ہسپتال پہنچ جانے کے بعد سے وہ فون پر اپنے کارپردازوں سے رابطہ رکھ رہا ہے۔ بالمشافہ انہیں ہدایات نہیں دے سکا۔“
 ”ہوں....!“ عمران صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تم اپنی فوجی وردی پہن لو ہم ذرا سادھو پاڑے والے فلیٹ کو دیکھیں گے میں بھی معمولی سا میک اپ کئے لیتا ہوں۔“
 ”اچھی بات ہے.... لیکن اتنے کھڑاگ کی کیا ضرورت ہے۔“

”مجھے یقین ہے کہ فلیٹ مقفل ہوگا۔ غیر قانونی طور پر قفل کھولنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی طوفان اٹھ کھڑا ہو۔ لیکن اگر تم فوجی وردی میں فلیٹ کے سامنے موجود رہے تو کوئی تم سے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں کرے گا۔“

”اچھی بات ہے.... تو پھر آپ بھی تیاری کیجئے میں اپنی وردی نگھواتا ہوں۔“

ایک گھنٹے بعد وہ دونوں ایک جیب میں سائیکو مینشن سے روانہ ہوئے۔ عمران کو اس وقت بحیثیت عمران نہیں پہچانا جاسکتا تھا سادھو پاڑے کی رحمت بلڈنگ کے سامنے ہی جیب روکی گئی۔
 فلیٹ نمبر پالیس تیسری منزل کا ایک کارنر فلیٹ تھا۔ عمران کے اندازے کے مطابق وہ مقفل ہی ملا۔ اس وقت عمارت سنسان پڑی تھی۔ کسی نے ان کی طرف خصوصی توجہ نہ دی۔ عمران قفل کھول کر اندر پہنچا۔ صفدر دروازے ہی پر جمادہا۔

دو کمروں کا چھوٹا سا فلیٹ تھا اور وہاں کے سامان سے بھی ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اس کا تعلق کسی ذی حیثیت آدمی سے ہوگا۔

عمران نے بڑی تیزی اور احتیاط سے فلیٹ کی تلاشی لینی شروع کی اور بلا آخر الماری میں اسے ایک فیس ماسک پڑا دکھائی دیا۔ اس کے قریب ہی سگریٹ کی ایک ڈبیہ بھی پڑی ہوئی تھی۔ عمران نے جیب سے رومال نکالا اور اسے انگلیوں پر لپیٹ کر اس ماسک کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کیا۔ اس ماسک کی آنکھوں کے سوراخوں کے اوپر ایک بھول سیاه بالوں کی تھی اور دوسری سفید بالوں کی تاک پڑچوٹ کا نشان بھی بہت واضح تھا۔

اس کے بعد اس نے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا۔ وہ خالی تھا اور اس کے اندر سرخ روشنائی سے ”ایس ایس شرگل“ تحریر تھا۔

عمران نے طویل سانس لی اور اس ڈبیہ اور ماسک کو بڑی احتیاط سے رومال میں لپیٹ کر باہر نکل آیا۔
 فلیٹ کو دوبارہ مقفل کیا اور سائیکو مینشن کی طرف روانہ ہو گیا۔
 ”کچھ بات بنی....!“ صفدر نے پوچھا۔

”بڑی حد تک.... جواد پلاسٹک کا فیس ماسک استعمال کرتا رہا ہے اور سنو وہ سگریٹ کی خالی ڈبیہ بھی اسی فیس ماسک کے قریب مل گئی جو کسٹمر انسپکٹر باسط رشید سے چھینی گئی تھی۔ اس کے اندر ایک بحری جہاز کا نام تحریر ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ایسا ہی جہاز ہو جسے ابھی تک برتھ نہ مل سکی ہو اور ان لوگوں کا غیر قانونی مال اس پر موجود ہو۔“
 ”امکان ہو سکتا ہے۔“ صفدر نے کہا۔

”وہ سائیکو مینشن پہنچے اور عمران سیدھا فنکٹر پرنٹ سیکشن کی طرف چلا گیا اور اس کے انچارج سے بولا۔“ کل میں نے ایک سگریٹ کیس بھجولیا تھا۔“

”جی ہاں.... اس پر سے نشانات اٹھائے ہیں میں نے۔“ اس نے جواب دیا۔
 ”اب یہ فیس ماسک اور سگریٹ کی ڈبیہ ہے۔ ان پر سے بھی نشانات اٹھا کر سگریٹ کیس والے نشانات سے موازنہ کرنا۔“
 ”بہت بہتر جناب....“

عمران پھر صفدر کے کمرے میں آ بیٹھا۔ یہاں جولیانا فنکٹر وائر بھی موجود تھی۔

”کیپٹن فیاض بہت شدت سے تمہاری تلاش میں ہے۔“ اس نے اطلاع دی۔

”نیر اسی کے ہاتھ لگے گا۔ میں تو بالکل چنچہ ہو کر رہ گیا ہوں۔“

”کیا مطلب....“ صفر چونک کر بولا۔

”یہ کیس باضابطہ طور پر اسی کے مجھے میں پہنچ گیا ہے۔“

”اور تم خواہ مخواہ اپنا اور ہمارا وقت برباد کر رہے ہو۔“

”فضول باتیں نہ کرو.... ہمیں یہ قطعی نہ سوچنا چاہئے کہ کسی معاملے کا تعلق کسی خاص جج سے ہے۔ بلکہ جہاں جو غلط بات نظر آئے اس کے مدارک کے لئے خود کوشش کرنی چاہئے۔ جم

تیز رفتاری سے میں نے کام کیا ہے فیاض کا حکمہ اُس کے لئے مہینوں جھک مارا۔“

”تو پھر وہ تمہاری دشمنی پر کیوں کمر بستہ رہتا ہے۔“ جولیا جھلا کر بولی۔

”یہ اس کی بد نصیبی ہے۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔“

سانیکو مینشن میں عمران کا اپنا بھی تو ایک مخصوص کمرہ تھا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا اور فون پر کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائل کئے دوسری طرف سے فیاض ہی کی آواز آئی۔ عمران کی

آواز پہچان کر اُس نے الجھنا چاہا تھا لیکن عمران نے سختی سے کہا۔ ”اگر تم نے میری بات نہ سنی تو میں

یہ پورا کیس سول پولیس کے کسی سب انسپکٹر کے حوالے کر دوں گا۔ جتنی جلدی میں نے اس کیس پر

کام کیا ہے تمہارے فرشتے بھی نہ کر سکتے اور یہ تکلیف میں نے محض اس لئے برداشت کی ہے کہ تم

نے جوزف پر ایک بے نکال مزاج لگایا تھا جسے تم ثابت بھی نہ کر سکے۔ بہر حال میں تمہیں فی الحال تین

گوداموں کے پتے لکھوا رہا ہوں اُن پر چھاپے مارنے کیلئے وارنٹ خواؤ۔ یہ گودام اسی اسمگلر کے ہیں

جس کے چکر میں باسٹر رشید مارا گیا تھا۔“

”اچھی بات ہے.... میں دیکھوں گا۔ تم پتے لکھواؤ۔ لیکن اگر اس کا انجام میرے خلاف ہوا تو

پھر سمجھ لو کیا ہوگا۔“ فیاض کی آواز آئی۔ عمران نے پتے لکھوا کر کہا۔

”مجھے یقین کامل ہے کہ گودام کے مالک کا سراغ نہیں مل سکے گا۔“

”پھر کیا فائدہ....!“

”یار میں اُس کا پتا بھی تمہیں بتاؤں گا۔ ذرا صبر سے کام لو رات کے لئے دوسرا کام بتاؤں گا۔“

”وہ کیا ہے۔“

”پہلے یہ کام کر کے مجھے خوش خبری سناؤ۔ اس کے بعد وہ کام بھی ہو جائے گا۔“ عمران نے کہا اور رابطہ منقطع کر کے گھڑی دیکھی اور پھر اپنے ہی فنگر پر نٹ سیکشن کو فون کیا اور انچارج سے فنگر پرس کے بارے میں پوچھنے لگا۔

”سگریٹ کیس سے اٹھائے جانے والے نشانات اور ماسک کے نشانات میں کوئی فرق نہیں۔

سگریٹ کی ڈبیہ پر بھی وہی نشانات ملے ہیں۔“

”شکریہ....“ کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا اور چھت کی طرف اس طرح منہ اٹھایا جیسے

کسی گیدڑ کی سی آواز نکال کر کمرے سے نکل بھاگے گا۔

لیکن اس کی بجائے اُس نے فون پر دارا کا کافی ہاؤز کے نمبر ڈائل کئے اور دارا کو پوچھا۔ کال اُس

کے آفس سے کنکٹ کر دی گئی اور دارا کی آواز سن کر عمران نے کہا۔ ”کہئے نواب شاطر کی بھی

خبریت معلوم ہوئی یا نہیں۔“

”خدا کے لئے عمران صاحب! فوراً آئیے.... ورنہ یہاں پتہ نہیں کیا ہو جائے۔“ دارا نے

بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا بات ہے۔“

”مجھے برابر دھمکیاں مل رہی ہیں۔ کیا آپ نے ان کا کوئی آدمی پکڑ لیا ہے۔“

”نہیں تو.... بس وہی دو ہیں جنہوں نے دن میں مجھ پر حملہ کیا تھا اور جن کے بارے میں

انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔“

”بہر حال وہ مجھے بھی آپ کا ساتھی سمجھ رہے ہیں۔ کاش میرے پاس نواب شاطر کے خلاف

کوئی واضح ثبوت ہوتا۔“ دارا کی آواز آئی۔

”میرے پاس واضح ثبوت موجود ہے مسٹر دارا۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں تھوڑی دیر بعد آپ

کے پاس آؤں گا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ کافی ہاؤز کی نگرانی وہ لوگ کر رہے ہوں گے۔“

”پھر آپ کیا کریں گے۔“

”آپ کی حفاظت کے لئے خفیہ پولیس کا جال پھیلا دوں گا۔“

”ایک بات اور ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”مجھ سے فون پر یہ بھی پوچھا جا رہا ہے کہ

آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔“

پہل کر دروازے پر جم گیا اور دوسرا دارا کے ہاتھوں میں جھکڑیاں ڈالنے میں شاہد کی مدد کرنے لگا۔
تھوڑی دیر بعد دارا فرش پر اوندھا پڑا ہانپ رہا تھا۔
”میں تم سبھوں کو دیکھ لوں گا۔“ وہ دانت بیس کر دباڑا۔

”مقتول باسط رشید کے کمرے میں تم اُس رات کیا کر رہے تھے جب اس کا قتل ہوا تھا۔“ عمران نے پوچھا۔ ”اور وہاں سے تم نے کسے فون پر اطلاع دی تھی کہ باسط رشید کے فلیٹ میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جس سے گروہ کی نشاندہی ہو سکے۔“
”سب جھوٹ ہے.... الزام ہے۔“

”فون کے ریسور سے تمہاری انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ میں اس وقت باسط رشید کی خواب گاہ کے پردے کے پیچھے موجود تھا۔ جب تم نے وہاں سے کسی کو فون کیا تھا۔“
”کیا ہو گا....!“ دارا غریبا۔ ”لیکن تم اسے ثابت نہیں کر سکو گے کہ میں کسی کا قاتل ہوں۔!“
”تم قاتل ہو.... ضرغام.... ساگر اور غفران سرکاری گواہ بن گئے ہیں۔!“

”میں نہیں جانتا کہ تم کن لوگوں کا ذکر کر رہے ہو۔!“
”لیکن وہ تو جواد کو جانتے ہیں، ساگر اور ضرغام کی موجودگی میں جواد نے باسط رشید کے پہلو میں خنجر اتار دیا تھا۔!“

”میں نہیں جانتا کہ تم کس جواد کا ذکر کر رہے ہو۔!“
”رحمت بلڈنگ کے فلیٹ نمبر بیالیس سے وہ فیس ماسک مل گیا ہے جسے جواد استعمال کرتا تھا اور اس فیس ماسک پر صرف تمہاری انگلیوں کے نشانات ہیں۔ سگریٹ کا وہ پیکٹ بھی مل گیا ہے جو تم نے مقتول باسط رشید کی جیب سے اڑایا تھا۔ اُس پر بھی تمہاری انگلیوں کے نشانات ہیں۔ بہر حال غری جہاز شرگل کو بھی دیکھ لیا جائے گا اور اب تک اُن تینوں گوداموں پر بھی چھاپے پڑ چکے ہوں گے جن میں مال رکھا جاتا ہے۔!“

”اوہ.... جہنم میں جاؤ.... دیکھا جائے گا.... میں آخری آدمی نہیں ہوں۔ تم لوگوں کے چھترے اڑ جائیں گے۔!“

”آخری آدمی کا پتہ بتادو تو شاید تمہارے ساتھ کچھ رعایت ہو جائے۔!“
”میں نہیں جانتا.... جانتا بھی ہو تا تو ہرگز نہ بتاتا۔ ہاں میں قاتل ہوں۔ پھانسی ہو گی۔ مر

”کہہ دیجئے کہ میں اُن کے بزنس میں حصہ چاہتا ہوں۔ اگر نہ ملا تو پورا گروہ اندر ہو گا۔!“
”بب.... بہت بہتر.... میں کہہ دوں گا۔ لیکن آپ آجاتے تو اچھا ہوتا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے انہوں نے کافی ہاؤز کو گھیر لیا ہو۔!“

”فکر نہ کیجئے۔ میں سی آئی ڈی والوں کے ساتھ فوراً پہنچ رہا ہوں۔!“ عمران نے کہا اور رات منقطع کر دیا۔ پھر اُس نے کیپٹن فیاض کو رنگ کیا تھا۔ اس سے کچھ تھوڑی سی باتیں ہوئیں۔ عمران نے اپنا میک اپ ختم کیا اور صفدر کو کچھ ہدایات دے کر دارا کا کافی ہاؤز کی طرف روانہ ہو گیا۔ باہر ہی انسپکٹر شاہد سے ملاقات ہوئی۔ اُس کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔ انہیں کافی ہاؤز میں بٹھا کر وہ انسپکٹر شاہد کو ساتھ لئے ہوئے دارا کے آفس میں داخل ہونے دارا نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا دیا وہ خاصا خوشنودہ نظر آ رہا تھا۔

”جن لوگوں پر آپ کو شبہ ہو مسٹر دارا ان کی نشاندہی کر دیجئے۔!“ عمران نے کہا۔ ”یہ سی آئی ڈی کے انسپکٹر شاہد ہیں۔!“

شاہد نے دارا سے مصافحہ کیا اور دارا کرسی پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ پھر بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں کاش نواب شاطر کے خلاف میرے پاس کوئی وارنٹ ثبوت ہوتا۔!“

”انسپکٹر شاہد....!“ عمران بے حد سرد لہجے میں بولا۔ ”باسط رشید کے قاتل کے ہاتھوں میں جھکڑیاں ڈال دو۔!“

”کیا مطلب....!“ دارا اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر ساتھ ہی اُس نے میز الٹ دی۔ عمران تو پہلے ہی اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ البتہ شاہد میز کی زد میں آ گیا۔

دارا نے پتہ نہیں کہاں سے خنجر نکال کر عمران پر چھلانگ لگائی ہی تھی کہ شاہد کے ریبہ اور سے شعلہ نکلا لیکن وار خالی گیا دوسری طرف دارا کا خنجر والا ہاتھ عمران کی گرفت میں آ گیا اور وہ اُسے بڑی بے دردی سے مروڑ رہا تھا۔

”خنجر بھیک دو ورنہ کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔!“ شاہد نے کہا۔

”فائر مت کرنا۔ فی الحال اس کا زہر بہنا ضروری ہے۔!“ عمران غریا اور دفعہ دارا کو کمر پر لاد کر نچ دیا۔ خنجر دوڑ جا رہا تھا۔ فائر کی آواز سن کر شاہد کے دونوں ماتحت بھی دفتر میں گھس آئے ایک ریبہ اور

جاؤں گا کیا فرق پڑے گا۔ مرنا تو ویسے بھی تھا۔ ایک دن لیکن تم سبھوں کے چیتھڑے اڑ جائیں۔ تم دیکھ لینا۔“

”وہ فون نمبر تو تمہارے فرشتے بھی بتائیں گے جس پر تم نے باسط رشید کے فلیٹ سے کہنا معلوم آدمی سے گفتگو کی تھی۔“

”اوہ..... ضرور..... ضرور..... لکھ لو وہ فون نمبر..... اگر تم اسے تلاش کر سکتے تو پھانسی پا۔ سے قبل اپنی آدمی دولت تمہارے نام لکھوا جاؤں گا۔“

پھر سچ سچ اس نے ایک فون نمبر بتا کر کہا۔ ”تم یہیں سے فون کر کے اس سے گفتگو کر سکتے ہو۔“ ”فضول باتوں میں نہ پڑئے۔“ انسپکٹر شاہد بولا۔ ”مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے یہاں لے جاؤں۔“

”ٹھیک ہے لے جاؤ.....!“ عمران نے کہا اور کافی ہاؤز سے نکل آیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر صفدر اور نعمانی بھی ایک جیب میں موجود تھے۔ عمران اپنی جیب میں آبیٹھا اور فلیٹ کی طرف چل پڑا۔ اب یہاں سے سائیکو مینشن نہیں جانا چاہتا تھا۔ صفدر اور نعمانی اس کے پیچھے چلے تھے کچھ دور جا کر عمران نے انہیں ٹرانس میٹر پر مخاطب کر کے کہا۔ ”تم دونوں سائیکو مینشن جاؤ..... میرے پیچھے نہ آؤ۔“ اور پھر وہ اپنے فلیٹ میں پہنچا۔ جلد از جلد اُس فون نمبر کو آزمانا چاہتا تھا جو دارانے انتہائی غصے کے عالم میں انہیں بتاتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس نمبر کا سراغ نہیں پائیں گے۔

”اُس نے فون پر وہی نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی اور پھر کسی نے غرا کر پوچھا۔ ”کون ہے.....؟“

”علی عمران.....!“

”اوہو..... تم ہو.....؟ اچھا اب اپنے کفن دفن کا انتظام خود ہی کر لو۔ مجھے ایک ایک پل کی خبریں پہنچ رہی ہیں۔ پورے شہر کو جہنم بنا کر رکھ دوں گا۔“

”خود کہاں ہو گے۔“ عمران نے پوچھا۔

”شٹ اپ“ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ عمران نے الوڈس کی طرح دیدے نچائے اور ریسور کریڈل پر رکھ کر سوچنے لگا کہ یہ آواز نواب شاطر کی تو نہیں تھی۔ شاید دارانے خود کو شے سے بالاتر رکھنے کے لئے نواب شاطر والے واقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ شاید اس میں کامیاب بھی ہو جاتا اگر عمران نے اُسے باسط رشید کے فلیٹ میں پہلے ہی نہ دیکھ لیا ہوتا۔

کچھ دیر بعد اس نے کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائل کئے دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔ ”واقعی یار تم نے کمال کر دیا۔“ فیاض کی چکار سنائی دی۔ ”اُن گوداموں سے اسلحے کی پیشیاں بھی برآمد ہوئی ہیں اور چوکیداروں نے بتایا تھا کہ وہ کسی جواد صاحب کے گودام ہیں۔ تمہارا شکریہ کہ شاید جواد صاحب کو ساتھ لے آیا ہے۔“

”لیکن جواد آخری آدمی نہیں ہے۔ آخری آدمی کو اب تم خود تلاش کر لینا۔ مانا.....!“ کہہ کر عمران نے رابطہ منقطع کر دیا اور اس طرح کامنہ بنائے ہوئے آرام کرسی پر گر پڑا جیسے نادانستگی میں کوئی کڑوی کیلی چیز کھا گیا ہو۔

پھر یک بیک اٹھ بیٹھا اور فون پر جولیانا فٹنر واٹر کے نمبر ڈائل کر کے ایکس ٹو کی آواز میں اُسے مخاطب کیا۔

”یس سر.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”عمران کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھاتا۔ بلا آخر یہ ہمارے ہی مجھے کاکیس بن گیا ہے۔“

”میں نہیں سمجھی جناب.....!“

”اُن تینوں گوداموں میں دوسرے سامان کیساتھ اسمگل کیا ہوا آتشیں اسلحہ بھی موجود ہے۔“

”اوہ..... تب تو جی ہاں..... ہمارا ہی کیس ہے۔!“

”صفدر کے پاس گوداموں کے پتے موجود ہیں۔ تم لوگ بھی انہیں دیکھنے کی کوشش کرو۔“

”بہت بہتر جناب..... ابھی سب کو آگاہ کرتی ہوں۔!“

رابطہ منقطع کر کے عمران پھر آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا اور گھر ج کو آواز دی۔

”جی صاحب.....!“ اس نے آنے میں دیر نہ لگائی۔

”بول چال ہوئی اُس مردود سے یا نہیں.....!“

”وہ تو کوشش کر رہا ہے لیکن میں خود ہی منہ نہیں لگا رہی۔!“

”کب تک یہ سلسلہ چلے گا۔!“

”جب تک جان میں جان ہے۔!“

”تم دونوں ہی بے حد نا تجربہ کار ہو۔!“

”جی میں نہیں سمجھی۔!“

”نہیں شکریہ.... میں خود ہی اپنی دیکھ بھال کر لیتا ہوں!“

”تم اصل خطرے کا اندازہ نہیں لگا سکتے!“ فیاض نے کہا۔ ”وہ بے حد خطرناک آدمی ہے اور پھر اندھیرے کے تیر سے تو ہوشیار رہنا ہی چاہئے!“

”کیا اس سے گفتگو کر چکے ہو!“

”کیوں نہیں.... نمبر ڈائیل کرتے ہی پہلے کتے کے بھونکنے کی آواز آتی ہے پھر وہ غرانے لگتا ہے۔ دھمکیاں دیئے لگتا ہے۔“

”کس قسم کی دھمکیاں....!“

”یہی کہ اگر اس کیس کو اسی مرحلے پر ختم نہ کر دیا گیا تو وہ پورے شہر کو جہنم بنا کر رکھ دے گا اور خود اس تک کبھی کسی کی رسائی نہیں ہو سکے گی۔“

”تمہیں تو بہت تاؤ آتا ہو گا۔“

”سوال تو یہ ہے کہ اگر وہ تمہارے پیچھے پڑ گیا تو تم کیا کرو گے۔“ فیاض نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

”پہلے سے میں کبھی کچھ نہیں سوچتا۔ جب وہ حملہ آور ہو گا۔ اسی وقت دیکھا جائے گا۔“

”بہر حال اس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کیس کو دارا ہی پر ختم کر دینا چاہتا ہے۔“

”فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ تم کیس عدالت میں پیش کر دو۔ ورنہ معاملہ طول پکڑ جائے گا۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔“

”اور سنو.... اب یہ سر سلطان ہی کے مجھے کاکیس بن گیا ہے۔“

”کس طرح....!“

”آتشیں اسلحہ بھی تو برآمد ہوا ہے ان گوداموں سے۔“

”تو گویا تمہاری دخل اندازی بھی جاری رہے گی۔“

”اگر سر سلطان نے درخواست کی تو ورنہ میرا اس نامعلوم آدمی سے نجی معاملہ تو چلتا ہی رہے گا۔ اس کا خیال ہے کہ میری دخل اندازی ہی کی بناء پر اتنی جلدی یہ کھیل ختم ہو گیا ورنہ دوسرے سالہا سال تک جھک مارتے رہتے۔“

”ابھی تم دونوں ہی شادی کے قابل نہیں تھے۔ خواہ مخواہ یہ تقریب برپا ہو گئی۔ خیر وہ کجنت بھکاری کیا کر رہا ہے۔“

”پڑا سو رہا ہے۔ کسی ہومیو پیتھ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی نفع کی خواہش کا خاتمہ کر دے گا اس سے دوائیں لا کر کھا رہا ہے۔“

”اچھی خبر ہے.... اگر اس دوران میں تیرے شوہر نامداد کو کوئی نئی نہیں سوچھ جاتی۔ سلیمان کہاں ہے۔“

”خدا جانے.... جب تک جیب میں پیسے ہیں.... گھر میں قدم نہیں نکلیں گے۔“

”فکر نہ کرو.... مفلس کر کے ماروں گا۔“

”اگر آپ ہی منہ لگانا چھوڑ دیں تو خود بخود سنبھل جائے گا۔ مجھے یقین ہے۔“

”اچھا جی.... تو اب تو مجھے ہی الزام دیں۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔ اتنے میں فون کی کھنٹی بجی اس نے ریسورٹ اٹھا کر گھر گھر کو جانکا اشارہ کیا۔ دوسری طرف سے کپٹن فیاض کی آواز آئی۔

”واقعی بڑی عجیب بات ہے۔“ فیاض کہہ رہا تھا۔ ”فون کا سرخ نہیں مل سکا۔ جس پتے پر فون کے بل جاتے ہیں وہ خالی پلاٹ پڑا ہوا ہے۔ اس پر بھی ابھی تک کوئی تعمیر نہیں ہوئی۔ اب پلاٹ کے مالک کی تلاش جاری ہے۔“

”مل جائے تو مجھے بھی مطلع کرنا....!“ عمران نے کہا۔

”ارے بس.... اب تم آرام کرو.... ہم دیکھ لیں گے۔“ فیاض بولا۔

”میں آرام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ نامعلوم آدمی میرے علاوہ اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ خیر تو ٹیلی فون کے بلوں کی ادائیگی بھی ہوتی ہے یا نہیں۔“

”اس سلسلے میں پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ ابھی مجھے رپورٹ نہیں ملی۔ ملنے پر مطلع کروں گا۔“

”بہت بہت شکریہ.... بہت زیادہ شرافت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔“

”لیکن مجھے اب بھی یقین ہے کہ وہ جوزف ہی تھا۔“ فیاض نے کہا۔ ”اگر تم پہلے ہی سے اس چکر میں نہیں تھے تو فوری طور پر یہ کیسے معلوم کر لیا تھا کہ مقتول کسٹرا ٹیلی جنس کا آدمی تھا۔“

”اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اپنے کام سے کام رکھو۔“ عمران نے کہا۔

”کیا میں کچھ سادہ لباس والے تمہاری دیکھ بھال کے لئے روانہ کر دوں۔“

”اتنا اونچا اڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ فیاض کے لہجے میں بیزاری تھی۔

”میرا اپنا ذاتی خیال نہیں ہے۔ اسی کی رائے ہے۔“

”خیر خیر.... دیکھا جائے گا۔“ کہہ کر فیاض نے رابطہ منقطع کر دیا۔ عمران نے بھی ریسیور رکھا تو تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔ اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی تھی۔

”شروع میں بھونکتے ہی ہو کیا....؟“ عمران نے پوچھا۔

”بکو اس بند کرو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم نے ان لوگوں سے بزنس میں شرکت کی بات کی تھی جو بااختیار نہیں تھے۔“

”تو پھر میں کس سے بات کرتا۔ تمہارا فون نمبر تو دارا نے بڑی جھلجھلک کے ساتھ مجھے بتلایا تھا اس دعویٰ کے ساتھ کہ اس کے باوجود بھی باس کا پیسہ نہیں لگایا جاسکتا۔“

”میں ایک اچھے کارپرداز سے محروم ہو گیا ہوں اس پر مجھے بے اندازہ غصہ ہے۔“

”اس کے باوجود بھی تمہارا بزنس جاری رہے گا۔ کیوں....؟“ عمران نے سوال کیا۔

”اُسے کون روک سکتا ہے۔ ان تین گوداموں کی حقیقت ہی کیا تھی۔ بس یہ سمجھ لو کہ جو لوگ

اس وقت پولیس کی گرفت میں ہیں وہ اس سے آگے کا حال نہیں جانتے۔ لامحدود ہوں۔“

”ہاں تو اب مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا ہو گا۔“

”کس سلسلے میں....؟“ پوچھا گیا۔

”تمہارے بزنس میں حصہ حاصل کرنے کے لئے۔“

”کیا تم واقعی سنجیدہ ہو....!“

”یقیناً.... ورنہ میں اپنی زندگی کو خطرے میں کیوں ڈالتا....!“

”اگر میں نے دو فیصد بھی تمہارے حوالے کر دیئے تو تم چھ ماہ میں کروڑ پتی ہو جاؤ گے۔“

”دیری فائن.... میں بالکل تیار ہوں۔“

”اچھا تو آج رات کو اسی جنک یارڈ میں تنہا آ جاؤ جہاں پچھلی رات کو تھے۔“

”تنہا کیوں بلا رہے ہو....!“

”یہ بزنس ایسا نہیں ہے کہ تم پام نثر شپ ڈیڈ پر دستخط کرانے کیلئے کچھ گواہ بھی اپنے ساتھ لاؤ۔“

”اچھی بات ہے دوست تم بھی کیا یاد کرو گے۔ میں ضرور آؤں گا۔“

”لیکن اگر ایک کتے کا پلا بھی تمہارے ساتھ ہوا تو نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔“

”فکر نہ کرو.... میں جو کچھ کہتا ہوں اُس پر قائم رہتا ہوں۔ اب تک بڑے بڑے ترم خانوں

سے نیٹ چکا ہوں۔ اور محمد زہد اور سلامت ہوں۔“

”تمہارے گردہ میں کتنے آدمی ہیں۔“

”صرف چار عدد....!“

”بلیک میٹنگ سے ماہانہ کتنی آمدنی ہو جاتی ہے۔“

”بس اتنی کہ ہم پانچوں عیش کرتے ہیں۔“

”سنو مجھے عرصہ سے ایسے کسی آدمی کی تلاش تھی جو پولیس سے بھی قریب ہو۔ تم اس معیار پر

پورے اترتے ہو۔ اس لئے بات بن جائے گی۔“

”میرے چاروں آدمی بھی شریک ہوں گے۔“

”تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ چار ہوں یا چالیس مجھے اس سے سروکار نہیں۔“

”اچھا تو پھر آج رات کو اسی جنک یارڈ میں....!“ عمران نے کہا۔

”ہاں ٹھیک گیارہ بجے۔ لیکن ایک بار پھر سن لو کہ تنہا آؤ گے۔“

”جو بات طے پاگئی میں اُسی پر قائم رہوں گا۔ تم بے فکر رہو۔“ عمران نے کہا اور دوسری طرف

سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اُس کی آنکھوں میں ذرہ برابر بھی تشویش کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے فون

پر سائیکو مینشن کے نمبر ڈائیل کئے اور صفدر سعید سے کنکٹ کرنے کو کہا۔

”ہیلو....!“ دوسری طرف سے صفدر کی آواز آئی۔

”ان تینوں کو ابھی اپنی ہی تحویل میں رکھنا.... فیاض کے حوالے کرنے کی ضرورت نہیں۔“

”کوئی نئی اسکیم....!“

”ہاں ہے۔ آخری آدمی کے ہاتھ لگنے سے پہلے میں انہیں اپنی ہی تحویل میں رکھنا چاہتا ہوں۔“

”پھر عدالت میں کیا ہو گا۔ ان تینوں کی شہادت کے بغیر دارا کے خلاف کیس کمزور ہی رہے گا۔“

”ہاں یہ بھی درست ہے۔ خیر فی الحال انہیں اپنے ہی پاس روکنا ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو دیکھا جائے گا۔“

اس نے رابطہ منقطع کر کے طویل سانس لی اور پھر آرام کر سی پر نیم دراز ہو کر اونگھنے لگا۔

اسی شام کو اس نے اُس ویران جنک یار ڈمب جانے کی تیاریاں شروع کر دیں جس میں رات کو ایک خطرناک تجربہ ہو چکا تھا۔ قریباً سات بجے اس نے پھر اس نامعلوم آدمی کی کال را کی وہ کہہ رہا تھا۔

”تم ٹھیک گیارہ بجے وہاں پہنچو گے اور میں گیارہ بارہ کے درمیان وہاں تم سے ملوں؟ مطلب یہ ہے کہ کہیں دس پانچ منٹ انتظار کر کے تم وہاں سے چل نہ پڑو!“

”تو گویا مجھے بارہ بجے تک تمہارا انتظار کرنا پڑے گا!“ عمران نے پوچھا۔
”بالکل یہی بات ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”لیکن بارہ نہیں بجیں گے۔ تم مطمئن رہو۔ بارہ اور گیارہ کے درمیان کی بات ہے۔!“

”میں سمجھ گیا۔!“

”اور ایک بار پھر سن لو کہ آس پاس کسی اور کی موجودگی کا علم مجھے ہو جائے گا اور پھر جو کچھ مجھ ہو گا اُس کی ذمہ داری تمہی پر ہوگی۔!“

”بار بار یاد نہ دلاؤ میں وہی کرتا ہوں جو کچھ میری زبان سے نکل جائے قطعی تنہا آؤں گا۔ لیکن خالی ہاتھ نہیں ہوں گا۔!“

”اسکی پرواہ نہیں۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم اپنے ساتھ جو اسلحہ چاہو لا سکتے ہو۔!“
”صرف ریو اور ہو گا میرے پاس۔۔۔۔۔!“ عمران نے کہا۔
”مجھے منظور ہے۔!“

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سن کر عمران نے بھی ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کال کے بعد سے اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ لیکن اُسے وہاں اکیلے ہی جانا تھا۔ اُس نے اپنے ماتحتوں سے بھی اس کا ذکر نہ کیا کہ وہ کسی سے کیا گفتگو کر چکا ہے۔ بس ساڑھے نو بجے کے قریب اس نے ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا لیا تھا بغلی ہو لستر میں ریو اور رکھا تھا کچھ فالتو رائنڈ لئے تھے اور ٹو سیٹر میں بیٹھ کر نکل کھڑا ہوا تھا۔ ایک ایسے سے ہوٹل میں کھانا کھایا اور ٹھیک ساڑھے دس بجے بندرگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اپنے انداز کے مطابق وہ صرف پندرہ منٹ میں اُس جنک یار ڈمب پہنچ سکتا تھا۔

گاڑی اس نے جنک یارڈ کے باہر ہی ایک محفوظ جگہ پر اندھیرے میں چھوڑ دی اور پیدل چلتا ہوا

عمارت کے قریب پہنچ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا ملائین عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے دیا سلائی جلا کر کمرے میں رکھا ہوا لیپ روشن کیا اور پھرتی سے فرش پر لیٹ کر ریگلتا ہوا دوسرے تاریک کمرے سے گزرا۔ وہ کچن میں پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر عقبی دروازے کو دیکھا وہ بھی کھلا ہوا ہی ملا۔ گویا پچھلی رات اس نے اس عمارت کو جس حال میں چھوڑا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر اُسی طرح ریگلتا ہوا باہر نکل گیا۔ مطلع اب آلود ہونے کی بناء پر باہر گہری تاریکی تھی۔ وہ اسی طرح اندھیرے میں ریگلتا ہوا عمارت کے سامنے پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ بالکل تنہا تھا۔ لیکن ”آئیل مجھے مار“ قسم کی دعوتیں خود اُسے دعوت فکرواتی تھیں اور اسی دعوت فکرنے تو اُسے بہت زیادہ محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

عمارت کے پہلے کمرے میں خود اُسی نے لیپ روشن کیا تھا اور کھڑکی کے شیشوں سے پھوٹنے والی روشنی اس قدر تو تھی ہی کہ اس سے برآمدہ بھی کسی حد تک روشن ہو جاتا۔ وہ ایک گاڑی کے ڈھانچے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ پوزیشن ایسی تھی کہ یہاں سے برآمدے پر بخوبی نظر رکھ سکتا تھا۔

ریڈیم ڈائیل والی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ اچانک ایک زبردست ہماکہ ہوا اور عمران کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی روح قفسِ عصری سے پرواز کر گئی ہو۔ سامنے والی عمارت سے آگ کے لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ عمارت کا کچھ ملہ گاڑی کے اس ڈھانچے کی چھت پر بھی گرا تھا جس میں عمران چھپا بیٹھا تھا۔ عمارت پوری طرح تباہ ہو گئی تھی۔ آگ کی لپٹوں سے جنک یارڈ کا بیشتر حصہ روشن ہو گیا تھا۔ عمران نے ہو لستر سے ریو اور نکالا اور نکاسی کے راستے کی طرف دوڑا۔ ہر چند کہ یہ جنک یارڈ آبادی سے بہت دور تھا۔ لیکن دھماکے نوعیت ایسی تھی کہ پولیس کی فوری طور پر متوجہ ہو جانا ضروری تھا۔

اپنی گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرتے وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ عمارت ہی میں اُس کا انتظار کر رہا ہوتا تو کیا ہوتا۔۔۔۔۔؟

دراصل اُس کی آخری کال ہی نے اُسے چونکا کر دیا تھا۔

”خیر بیٹا اب میں تمہیں دیکھوں گا۔!“ وہ دانت پر دانت جما کر بڑبڑایا اور گاڑی حرکت میں آگئی۔

پیشترس

جاسوسی ادب کے پہلے اور آخری آدمی کا ناول ”آخری آدمی“ پیش خدمت ہے۔ یہ ناول ابونے اپنی علالت کے دوران ہی مکمل کر لیا تھا مگر ان کی حسب خواہش، ملک میں بارشوں اور سیلابی کیفیتوں کے باعث اسے شائع نہ کیا جاسکا۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ 26 جولائی 1980 کو یہ عظیم سانحہ ہو جائے گا اور وہ اسے خود شائع نہ کرا سکیں گے اور اس کی اشاعتی ذمہ داری میرے کمزور کاندھوں پر آپڑے گی اور اب میں کہاں تک اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا ہوں یہ آپ کی رائے پر منحصر ہے۔ ابو کے ہر ناول کے یہ صفحات جن پر آج آپ میری تحریر دیکھ رہے ہیں اپنی جگہ ادب کا ایک انمول نمونہ ہوتے تھے آج جب مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ میں اپنے بے وقعت الفاظ سے ان صفحات کو سیاہ کر دوں تو میرے لئے ایک سطر بھی لکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ ابو کا طریق کار یہ تھا کہ وہ نئی کتاب کا نام و پیشترس سب سے آخر میں اس وقت تحریر کرتے تھے جب آخری کاپی پریس میں ہوتی تھی۔ لیکن مرگ ناگہانی نے ان کو اس بات کی مہلت نہ دی۔ آخر میں ان تمام قارئین اور ملنے والوں کا اپنے اہل خاندان کی جانب سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس دلخراش سانحے پر تعزیتی خطوط لکھے یا بہ نفس نفیس آکر تعزیت کی۔

والسلام
ابرار صفی

عمران سیریز نمبر 116

آخری آدمی

(دوسرا حصہ)

”نہیں جناب تین دن پہلے کی بات ہے رات کو فلیٹ سے گئے تھے آج تک واپسی نہیں ہوئی!“
 ”اُسے تلاش کرو.... ورنہ یہ شخص دارا عدالتی کارروائی کے دوران میں ہمارے ہاتھوں سے
 پھل جائے گا!“

”میں انہیں تلاش کرنے کی بھی انتہائی کوشش کر رہا ہوں جناب....!“
 عدالتی کارروائی اُس دن ملتوی کر دی گئی۔ لیکن اس واقعہ کی بنا پر سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔
 انسپکٹر شاہد نے سارے کام چھوڑ کر صرف عمران کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن کہاں۔ فلیٹ
 سے آگے کا اُسے علم نہیں تھا۔

دوسری طرف کیپٹن فیاض اپنے آفس میں پہنچا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور اٹھایا
 اور دوسری طرف سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی پھر پوچھا گیا ”کون ہے....؟“
 ”کیپٹن فیاض....!“

”اب کیا خیال ہے....؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
 ”بہت جلد تمہیں تمہارے بل سے نکال لیا جائے گا!“ کیپٹن فیاض نے کہا۔
 ”تیز سے گفتگو کرو!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں!“
 ”اگر آپ اپنی پہچان کرادیں تو آئندہ احتیاط برتی جائے گی!“ فیاض نے طنز یہ لہجے میں کہا۔
 ”اس قصے کو یہیں ختم کر دو کیپٹن فیاض ورنہ میں اپنی دھمکی کے مطابق چچ اس شہر کو جہنم
 بنا دوں گا اور ہاں سنو! مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہیں عمران کی تلاش ہے!“

”بہت باخبر معلوم ہوتے ہو جناب عالی۔ میرا خیال ہے کہ میں اب تیز سے گفتگو کر رہا ہوں!“
 وہ اس کے طنز کو نظر انداز کر کے بولا۔ ”بندرگاہ کے علاقے والے جنک یا رڈ کا دھماکا یاد ہے نا؟
 لڑان وہاں اُس عمارت میں میرا منتظر تھا کہ اچانک وہ عمارت دھماکے سے اڑ گئی!“
 ”نہیں....!“ فیاض بوکھلا کر کرسی سے اٹھ گیا اور دوسری طرف سے قہقہہ سنائی دیا ساتھ ہی
 ناگہی بھونکنے لگا اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

دونوں کی گفتگو ٹیپ ہوئی تھی فیاض نے ٹیپ ریکارڈر سے اسپول نکالا اور رحمان صاحب کے
 فکس کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ چچ چچ خاصا بدحواس نظر آ رہا تھا۔

رحمان صاحب آفس ہی میں موجود تھے۔ دو تین منٹ بعد انہوں نے فیاض کو بلا لیا۔



وعدہ معاف گواہ کو بڑی احتیاط سے عدالت کی طرف لایا جا رہا تھا۔ کیپٹن فیاض کے محکمے کی بند
 گاڑی تھی جس میں کئی مسلح افراد موجود تھے اور ان کے درمیان غفران نامی وعدہ معاف گواہ بیٹھا ہوا
 تھا۔ اس سلسلے میں کیپٹن فیاض نے لا پرواہی نہیں برتی تھی بلکہ معاملہ فہمی کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن
 مقدمات پر تو کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ قیدی عدالت کے صدر دروازے کے سامنے گاڑی سے اتر
 ہی رہا تھا کہ اچانک چاروں خانے چٹ سڑک پر آگرا۔ اُس کی پیشانی سے خون کا ٹوارہ چھوٹ رہا تھا۔
 فائر بے آواز ہوا تھا لیکن سمت کا اندازہ بہر حال فوری طور پر لگایا گیا تھا۔ سامنے ایک کئی
 منزلہ عمارت تھی۔

جتنی دیر میں عمارت کی تلاشی لی جاسکتی کام کرنے والا اپنا کام کر کے میلوں دور نکل گیا ہو گا۔
 کیپٹن فیاض کو اس کی اطلاع ملی تو موقع واردات پر خود دوڑا آیا اور سامنے والی عمارت کے اس
 خالی فلیٹ تک بھی پہنچ گیا جہاں سے وعدہ معاف گواہ پر فائر کیا گیا تھا۔ قاتل سائینسر لگی ہوئی
 رائفل وہیں چھوڑ گیا تھا۔

فلیٹ اس وقت خالی ضرور تھا لیکن وہاں کوئی رہتا بھی تھا۔ کیونکہ اعلیٰ درجے کا فرنیچر ہر کمرے
 میں موجود تھا اور لمبوسات کی الماری بھی تھی جس میں زنانہ مردانہ دونوں قسم کے لباس موجود تھے۔
 لیکن بڑی عجیب بات تھی کہ پورے فلیٹ میں کہیں بھی کسی کی انگلیوں کے نشانات نہ مل سکے۔

اس منزل کے دوسرے رہنے والوں میں سے بھی کوئی یہ نہ بتا سکا کہ اس فلیٹ کا مالک کون
 ہے کیونکہ آج کے علاوہ انہوں نے اُس فلیٹ کو ہمیشہ مقفل ہی دیکھا تھا۔

”عمران کا کچھ سراغ ملا....!“ کیپٹن فیاض نے آہستہ سے انسپکٹر شاہد سے پوچھا۔

فون بل پر کون ہاتھ صاف کر دیتا ہے۔!“
 ”بس ٹھیک ہے، اپنی تگ و دو جاری رکھو..... رہ گیا عمران کا معاملہ..... میں اُس کے سلسلے
 میں ہر وقت مری خبر سننے کو تیار رہتا ہوں۔!“
 پتا نہیں کیوں رحمان صاحب کے دفتر سے واپسی پر فیاض خاصا مایوس تھا۔



عمران کا فلیٹ آج کل کچھ زیادہ ہی ”آباد“ ہو گیا تھا۔
 عمران کی غیر موجودگی میں دو مہاجرین بھی آکر فلیٹ میں فروکش ہو گئے تھے۔ اس طرح یہ
 آبادی تین سے پانچ نفوس تک جا پہنچی تھی۔
 یہ دونوں مہاجرین کوئی غیر نہیں ظفر الملک اور جمسن تھے۔ یہ در بدری جمسن کی وجہ سے ہی
 عمل میں آئی تھی۔

ہوایوں تھا کہ جس فلیٹ میں یہ دونوں رہتے تھے اسی کے برابر والے فلیٹ میں ایک عربی جوڑا
 آکر نیا نیا آباد ہوا تھا۔ آبادی عربی النسل تو شاید نہ ہو مگر تاثر یہی دیتا کہ وہ لوگ پشتینی عرب ہیں۔
 انہی دنوں جمسن پر بھی عربی لباس پہننے اور عربی لہجہ میں اردو بولنے کا دورہ پڑا تھا۔
 ظفر الملک نے سخت اعتراض کیا تھا اُس کی اس روش پر مگر اُس نے اُسے اپنا قطعی پر سٹل
 معاملہ قرار دے کر ظفر الملک کے اعتراض کو رد کر دیا تھا اور دلیل یہ دی تھی کہ آخر تمام مسلمان
 عربی لباس کیوں نہیں اپناتے جبکہ رسول عربی کی امت اپنے آپ کو کہتے ہیں۔ معمولی سے معمولی
 مرید بھی اپنے معمولی سے معمولی پیر کی پیروی کرتے ہوئے پیرانہ لباس زیب تن کر لیتے ہیں۔
 یہی نہیں بلکہ لباس کے ساتھ ساتھ جمسن نے عربی شہزادوں جیسی داڑھی بھی رکھ لی تھی۔
 لیکن داڑھی کے مسئلے پر وہ ظفر الملک کے سامنے کوئی ٹھوس دلیل پیش نہیں کر سکا تھا کہ اس قسم کی
 داڑھیاں جو صرف ٹھوڑی کو زینت بخشی ہوں وہ کس قسم کی پیروی کے کھاتے میں ڈالے گا۔

لباس اور داڑھی تک ہی محدود رہتا مگر اُس نے نام بھی تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور
 ظفر الملک کو اطلاع دے دی تھی کہ آئندہ اُسے نہ جنم کہا جائے اور نہ ہی جمسن بلکہ اب وہ ابوال
 تھان ہے اردو بولتے وقت ”ز“ اور ”ع“ اور ”ض“ کو خالص عربی لہجہ میں ادا کرنے کی پریکٹس بھی
 شروع کر دی تھی اور یہی پریکٹس فلیٹ بدر کرنے کو کافی ثابت ہوئی تھی۔

فیاض یہاں آتو گیا تھا لیکن اب اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گفتگو کا آغاز کس طرح کرے۔
 ”کیا بات ہے.....؟“ رحمان صاحب اُسے گھورتے ہوئے بولے۔
 ”میری خبر ہے جناب سمجھ نہیں آتا کہ کس طرح.....!“
 ”ہوں تو شاید کچھ عمران سے متعلق ہے.....؟“

”جج جی ہاں.....!“ فیاض نے کہا اور جلد جلد بتانے کی کوشش کرنے لگا کہ اُس نامعلوم مجرم
 سے وہ افسوس ناک اطلاع کس طرح ملی تھی۔

”ریٹائرنگ روم میں چلو!“ رحمان صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔ ”اور وہ ٹیپ ریکارڈر بھی اٹھا لو!“
 ان کا لہجہ بے حد پرسکون تھا۔ دونوں ریٹائرنگ روم میں آئے اور کیپٹن فیاض ٹیپ ریکارڈر
 میں اسپول لگانے لگا۔

رحمان صاحب نے وہ گفتگو بھی پُر سکون انداز میں سنی اور آنکھیں بند کر کے کچھ سوچتے رہے۔
 پھر بولے۔ ”ایک بار وہ سمندر میں بھی غرق ہو چکا ہے اور متعدد بار دوسرے حوادث کا شکار
 ہو جانے کی خبریں بھی پھیلی ہیں..... لیکن..... خیر ہاں تو..... فی الحال مسئلہ ہے اس نامعلوم آدمی کا۔
 مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ ابھی تک اس فون تک نہیں پہنچ سکے جس سے اُس کی کالز ہوتی ہیں۔!“
 ”پتا خالی پلاٹ کا ہے۔ پلاٹ کے مالک کا نام کاغذات میں عبدالغفور لکھا ہوا ہے۔ لیکن اُس کا
 پتہ بھی غلط ہے۔ اس پتے پر عبدالغفور نام کا کوئی آدمی کبھی نہیں رہا۔!“

”فون کے بلوں کی ادائیگی کس طرح ہوتی ہے.....؟“ رحمان صاحب نے پوچھا۔
 ”بلوں کی ادائیگی عبدالغفور ہی کے نام پر برابر ہو رہی ہے اور ان پر پتا اسی خالی پلاٹ کا درج
 ہوتا ہے۔ اس علاقے کے سارے ڈاکو سے پوچھ گچھ کی گئی ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی
 نہیں بتایا کہ کبھی کوئی کسی خالی پلاٹ پر ٹیلی فون کا بل لے کر پہنچا ہو۔!“

”اس کا مطلب ہوا کہ اندر ہی اندر ساری کارروائی ہو جاتی ہے۔!“ رحمان صاحب بولے۔
 ”جی ہاں..... لیکن بنگلہ کلر کا بیان ہے کہ وہ سارے بل ڈسپنچر کے حوالے کر دیتا ہے اور
 ڈسپنچر کے بیان کے مطابق سارے بل پوسٹ کر دیئے جاتے ہیں۔!“

”بس تو پھر آخری مرحلہ جی پی او کا رہ جاتا ہے۔!“ رحمان صاحب بولے۔
 ”جی ہاں میں نے وہاں کئی افراد متعین کئے ہیں جو پتا لگانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس ٹیلی

جوزف بھی پہلے تو دہائیں مار مار کر رویا تھا مگر اچانک ہی نہ جانے کیا ہوا کہ گلرخ کو روتے دیکھ کر اس نے ایک دم چپ سادھ لی تھی۔

فیاض کے بیان کے مطابق اس واقعے کو چار دن گزر گئے تھے اور اُس نے ان لوگوں کو آج ہی بتایا تھا۔ جیمنس اور ظفر الملک بھی کھوئے سے تھے۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ عمران ایسی بے چارگی سے بھی مر سکتا ہے۔

اس وقت بھی گلرخ روئے جا رہی تھی۔ روتے روتے آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور ناک تو پھول کر کپا ہو گئی تھی۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ ظفر الملک اور جیمنس اُسے سمجھا بجا کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور ڈرائنگ روم میں سلیمان، جوزف اور گلرخ رہ گئے تھے۔ سلیمان بہت دیر سے گلرخ کو تسلیاں دے رہا تھا۔

”اری نیک بخت! اب چپ ہو جا۔ صبح سے روئے جا رہی ہے۔ نہ کچھ کھایا نہ پیا.....!“ سلیمان نے گلرخ کو چکارتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... ہاں..... تو پیٹ بھر کر روٹی کھا.....!“ گلرخ تڑپ کر بولی۔ ”میرے علاوہ انہیں رونے والا اور ہے بھی کون.....؟ ہائے ہائے..... صاحب جی!“ گلرخ نے پھر آواز بلند کی۔

”چپ کر بڑی آئی گئی بن کر.....!“ سلیمان نے گڑ کر کہا۔ ”جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں تجھے اس گھر میں آئے ہوئے۔ تجھے کیا خبر کہ اس گھر میں آئے دن اُن کی موت کا ڈرامہ ہو تا رہتا ہے۔ کوئی ایک بار مرے ہیں وہ؟ دس بارہ تو میں گنوا سکتا ہوں۔ کبھی کبھی تو پورا پورا مہینہ مرے رہے ہیں جبکہ ابھی تو صرف چار دن ہی ہوئے ہیں!“

”بڑا نمک حرام ہے تو.....!“ گلرخ رونادھونا چھوڑ کر ناک سڑکتی ہوئی بولی۔ ”کیسے اُن کے مرنے کا ذکر کر رہا ہے!“

”تو ہی روئے جاتی ہے۔ بد شگون کہیں کی۔ وہ ایسے نہیں مر سکتے حادثاتی موت ان کے نصیب میں ہوتی تو ہزار بار مر چکے ہوتے حادثے تو خود اُن سے کتر کر گزر جاتے ہیں۔ وہ جب بھی مرے گئے اپنے بستر پر آرام سے لیٹ کر اور ساتھ میں میری آدمی جان کر کے مرے گئے۔ تو اطمینان رکھ!“ سلیمان نے اُسے سمجھانے والے لہجے میں کہا۔

نئے نئے وارد ہونے والے عربی جوڑے سے زبردست جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی کو شکایت تھی کہ یہ شخص ابوال جمان آتے جاتے اُس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ بات اُس نے اپنے شوہر سے کہہ دی تھی اور شوہر غیرت شوہریت سے جل کر ظفر الملک پر چڑھ دوڑا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ شوہر نے ایک قدم آگے بڑھ کر فلیٹ کے مالک کو بھی اطلاع دے دی تھی۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ دوسرے ہی دن بلڈنگ کے مالک نے ان دونوں کو فلیٹ پر جالیا اور ایک تحریری نوٹس ظفر الملک کو پکڑا کر چلا گیا۔ نوٹس کے مطابق انہیں دس دن کے اندر اندر فلیٹ خالی کرنا تھا کیونکہ وہ ”بیوی بچوں“ سے محروم تھے اور جیمنس نے مالک فلیٹ سے جھوٹ بول کر فلیٹ حاصل کیا تھا کہ ”چھ ماہ“ کے اندر ہی ”بیوی بچے“ آجائیں گے۔ حسب وعدہ چونکہ بیوی بچے نہ آ سکے تھے اور نہ آنے کا امکان تھا۔ لہذا ظفر الملک کو فلیٹ چھوڑ دینے کا فیصلہ کرنا ہی پڑا تھا۔ جیمنس نے مالک فلیٹ کو یہ بات سمجھانے کی لاکھ کوشش کی کہ وہ عربی خاتون سے اس لئے بات کرنا چاہتا تھا کہ اپنی ”زین، ض“ عربی لب و لہجے کے مطابق صحیح کر سکے مگر مالک فلیٹ نے ایک بھی غذر نہ مانا اور دونوں کو فلیٹ سے نکال باہر کیا تھا۔

ملا کی دوڑ مسجد تک اور دونوں اپنا اپنا سوٹ کیس اٹھا کر عمران کے فلیٹ میں آگئے تھے۔ یہ بھی جیمنس کا ہی مشورہ تھا کہ عمران کے فلیٹ میں جاگھتے ہیں۔ کوئی متبادل بندوبست ہو جائے گا تو وہاں سے شفٹ ہو جائیں گے۔

تجویز چونکہ معقول تھی لہذا ظفر الملک کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ سلیمان نے ان دونوں کو دیکھ کر ناک بھون تو بہت چڑھائی مگر گلرخ نے اُسے یہ کہہ کر لٹا دیا تھا کہ صاحب جی کے لواحقین ہیں اور یہیں رہیں گے۔ یہی نہیں بلکہ اُن دونوں کے لئے فلیٹ کا وہ کمرہ جو بطور اسٹور روم کام میں آ رہا تھا اُسے خالی کر کے صاف کر دیا تھا۔



صبح سے شام..... شام سے رات ہو گئی تھی۔ گلرخ تھی کہ وقفہ وقفہ سے روئے جا رہی تھی۔ فیاض نے فون کر کے جوزف کو بتا دیا تھا کہ اب عمران کو صبر کر لے کیونکہ جنگ یارڈ کی اس عمارت میں عمران بہ نفس نفیس موجود تھا جب وہ عمارت دھماکے سے اڑی تھی۔ یہ سن کر ہی گلرخ نے رونا شروع کر دیا تھا۔

”سب سن رہا تھا تمہاری باتیں.....!“ عمران نے کہا۔
 ”کہاں سے.....؟“ سلیمان نے اچانک سوال کیا۔
 ”اپنے کمرے میں تھا۔!“ عمران نے جواب دیا۔

”میرے صاحب جی بڑا ذلیل ہے یہ سلیمان.....!“ گلرخ نے سلیمان کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”نمیری خبر سن کر بندر بانٹ کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ صاحب کے ہم ہی تو وارث ہیں۔!“
 ”ہاں..... ہاں..... بندر بانٹ کر رہا تھا پھر تجھے کیا.....؟“ سلیمان جل کر بولا۔ ”تجھے سمجھا نہیں رہا تھا کہ صاحب کسی حادثے کا شکار نہیں ہو سکتے۔!“
 ”باس..... یہ سلیمان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اسے بھی اور مجھے بھی فیاض صاحب کی بات کا یقین نہیں آیا تھا.....!“ جوزف پہلی بار بولا تھا۔

”دو وارث اور بھی آئے ہوئے ہیں۔!“ سلیمان نے کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ عمران نے سوال کیا۔

”ظفر الملک اور جیمسن اپنے فلیٹ سے نکال دیئے گئے ہیں اور یہیں آگئے ہیں۔!“ جوزف نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”خدا مجھ پر رحم کرے۔!“ عمران سر پکڑ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”آپ کے وارث ہیں کہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔!“ سلیمان بولا۔ ”میری ماننے تو وصیت نامہ تیار کر کے میرے پاس رکھوا دیجئے۔ آپ کے حزان کا کچھ ٹھکانہ نہیں کسی روز کہیں جی جی ہی مرنے کا ارادہ نہ ہو جائے۔!“

”دیکھئے..... دیکھئے.....!“ گلرخ جیج کر بولی۔ ”کتنا سر چڑھا رکھا ہے آپ نے۔ کیسی منحوس باتیں کہنے بارہا ہے۔!“

”تو چپ رہ..... تیری وجہ سے میرا بہت نقصان ہو رہا ہے۔ سارا خرچ اب تیرے ہاتھ میں دیتے ہیں۔!“ سلیمان بگڑ کر بولا۔

”تو تو جلعے گا۔ بے ایمانی کرتا تھا نا.....!“ گلرخ ترکی بہ ترکی بولی۔

”اب اُن دونوں مہاجروں کا جلد بندوبست کر دیجئے گا۔!“ سلیمان نے کہا۔

”تجھے کیا تکلیف ہے.....؟“ عمران نے سوال کیا۔

”بڑے صاحب کو خبر ہوگی تو ان کا نہ جانے کیا حال ہوگا.....؟“ گلرخ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔
 ”بس..... بس.....!“ سلیمان ہاتھ اٹھائے ہوئے بولا۔ ”بڑے صاحب کا نام نہ لے..... اگر گت کے باپ ہوتے تو جھوٹے صاحب ایسے ہوتے ہی کیوں۔ اگر سچ مچ بھی مر جائیں گے نا..... تو اُن کے باپ کو یقین نہیں آئے گا۔ سب سمجھتا ہوں ہم ہی صاحب کے وارث ہیں اور بس۔!“
 ”اے..... اے..... ناخبر..... صاحب کے باپ دادا انک پہنچ رہا ہے۔!“ گلرخ بگڑ کر بولی۔
 ”تجھے کیا.....؟ تیرے باپ دادا انک تو نہیں پہنچ رہا نا.....!“
 ”پہنچ کر تو دیکھ..... گدی سے زبان کھینچ لوں گی۔ پٹھانی ہوں۔!“ گلرخ آستین چڑھاتی ہوئی بولی۔
 ”ٹم..... ساللا..... فر..... فائیٹ کیا.....!“ جوزف ایک دم دھاڑا۔ بہت دیر سے ان دونوں کی بک بک سن رہا تھا۔

”کالے..... تو نہ بولیو.....!“ سلیمان نے اُس کی طرف مڑ کر آنکھیں نکالیں۔ ”یہ ساری نحوست تیری ہی پھیلائی ہوئی ہے۔ کل جبا ہے..... جتنا تو کالا ہے نا..... دل تیرا اُس سے بھی زیادہ کالا ہے۔ تیرے سر پر تو ہر وقت بلائیں نا چا کرتی تھیں۔ کوئی بلا صاحب کو بھی لے گئی ہوگی۔!“
 ”کیا بکھا.....!“ جوزف نے اُس کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔ ”مسی اسے روکو.....!“

”اے جھوڑ میری گردن.....!“ سلیمان اپنی گردن چھراتا ہوا بولا۔

”فیاض صاحب نے جان بوجھ کر ہمیں یہ منحوس خبر پہنچائی ہے۔ میں انہیں خوب جانتا ہوں۔ جب سے ڈپٹی ڈائریکٹر ہوئے ہیں بہت اترانے لگے ہیں۔!“

”چوپ..... بیٹھ..... میں..... کچھ سوچتا.....!“ جوزف نے کہا۔

”مناؤ..... مناؤ..... جشن مناؤ.....!“ عمران دروازے میں کھڑا اُن سب کو گھور رہا تھا۔

”تینوں اُس کی آواز پر اچھل پڑے تھے۔ کیونکہ دروازے کی طرف کسی نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ کب سے وہاں کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔!“

”گلرخ دوڑ کر اُس کے پاس پہنچی تھی اور پھر اُس کے ارد گرد گھوم کر اس طرح دیکھنے لگی تھی کہ جی جی وہ ہر طرف سے زندہ ہے کہ نہیں۔!“

”خدا کا شکر ہے صاحب جی کہ آپ زندہ ہیں۔!“ گلرخ دوپٹے سے اپنا چہرہ پونچھتی ہوئی بولی۔
 ”فیاض صاحب نے آپ کے بارے میں بڑی بُری خبر سنائی تھی۔!“

”تکلیف یہ ہے کہ سارا کام مجھے ہی کرنا پڑتا ہے۔ میں اتنے لوگوں کا کھانا نہیں پکا سکتا!“
 ”اسلئے مرا جادہا ہے!“ عمران بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ آئندہ میں اور گلرخ مل کر پکا لیا کریں گے۔“
 ”ہمیشہ غلط ہی سمجھیں گے۔“ سلیمان ہاتھ نچا کر بولا۔ ”میرا مقصد یہ ہے کہ جتنا خرچ آپ دیتے ہیں اس میں اتنے لوگوں کا گزارہ نہیں ہو سکتا!“

”اے.... نالائق.... یہ مہمان ہیں!“ عمران نے کہا۔ ”مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔“
 ”پہلے ہوتے ہوں گے۔ اب زحمت ہوتے ہیں۔“ سلیمان نے جواب دیا۔
 ”ٹھیک کے پیسے ختم ہو گئے ہیں کیا....؟“ عمران نے سوال کیا۔
 ”ایک بھکاری کو دے دیئے۔“ سلیمان نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔
 ”اچھا چل۔ کافی بنا کر لا۔“ عمران نے سلیمان سے کہا۔ ”اور دیکھ دو یہ الیاں مہمانوں کیلئے بھی۔“
 ظفر الملک اور جیمسن کو عمران نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔
 دونوں شاید سو گئے تھے اور ان سب کی باتوں سے ہی آنکھ کھلی ہوگی۔ وہ سلپنگ سوٹ میں ہی ڈرائنگ آگئے تھے۔

”شکر ہے رب قدوس کا....“ جیمسن نے ”ر“ کو حلق سے نکال کر کہا۔
 ”سبحان اللہ.... سبحان اللہ....“ عمران نے لہک کر کہا۔
 ”آپ کو ہمارے بارے میں تو معلوم ہو ہی گیا ہوگا۔“ ظفر الملک نے کہا۔
 ”ہاں.... بے فکری سے رہو۔“ عمران نے کہا۔ ”شائد تم دونوں کی ضرورت پڑے۔“
 سلیمان کافی بنا کر لے آیا تھا۔
 عمران نے کافی کا گھونٹ بھر کر گلرخ سے کہا۔ ”دیکھ گلرخ اب تو سودا سلف لینے بازار نہ جایا کر۔“
 ”کیوں صاحب جی....؟“

”ایک تو ہی تو مجھے رونے والی ہے۔ میں تجھے کھونا نہیں چاہتا۔“
 ”صاحب جی! فکر نہ کیجئے۔ میں علی بابا والی مرجینا سے زیادہ چالاک ہوں۔ کسی کی باتوں میں آنے والی نہیں۔“ گلرخ ہاتھ نچا کر بولی۔

”جو کہہ رہا ہوں وہی کر....“ عمران نے کہا۔ ”کل سے بازار کا کام سلیمان کرے گا۔“
 ”سودے میں پیسوں کی کانٹ چانت کرے گا۔ عادت بُری بلا ہے۔“

”فکر نہ کر.... مرے گا تو سانپ بچھو چپٹیں گے۔“
 ”یہ بھی بڑی زبان دراز اور نافرمان بیوی ہے۔ دیکھئے گا اس کا حشر مجھ سے بُرا ہو گا۔“
 ”ہاں.... اب ان دونوں کو یہاں سے چلا کر دو....!“ جوزف نے آکٹا کر اپنی ٹانگ اڑادی۔



صبح ابر آلود تھی۔ بادل کہیں کہیں سے ہلکے تھے اور کہیں سے گہرے کسی وقت بھی بارش شروع ہونے کا امکان تھا۔

عمران نے ایکس ٹو والے فون پر جولیا کے نمبر ملائے تھے۔

دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی تھی۔ ”ہیلو....!“

”ایکس ٹو....!“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”لیس سر....!“

”صفدر سے کہو کہ جی پی اور یڈ کرے۔ جسے بھی مشتبہ سمجھے اس کا تعاقب کرے۔“

”بہتر سر....!“

”نعمانی سے کہو کہ وہ کنگ کمپنی پر نظر رکھے اور صدیقی نیشنل انجینئرنگ ورکس دیکھے۔
 دونوں کمپنیوں کی طرف سے اظہار وجہ کے نوٹس اخبار میں شائع ہوئے ہیں۔ دودن کی مہلت دی گئی ہے کہ ساگر اور ضرغام حاضر ہو جائیں ورنہ ملازمت سے برطرف کر دیئے جائیں گے۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی ڈیوٹی پر حاضر نہ ہو سکیں گے۔ نعمانی اور صدیقی دیکھیں کہ دودن کے بعد ان کی جگہ پُر کرنے کے لئے کوئی آتا ہے یا نہیں اور جو بھی ملازم رکھا جائے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کسی کی سفارش پر تو نہیں آیا اور اگر آیا ہے تو کس کی....؟“

”بہت بہتر سر....!“ جولیا نے کہا۔

”اور اینڈ آل....!“ عمران نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔



صفدر ٹھیک آٹھ بجے جی پی او کی وسیع عمارت کے سامنے واقع ایک کیفے میں داخل ہوا تھا اس نے اپنا اسکوٹر کیفے کے سامنے ہی کھڑا کر دیا تھا۔

اس نے ایسی میز منتخب کی تھی جہاں سے جی پی او کے صدر دروازے پر بخوبی نظر رکھی جاسکے

اور وہ ہر آنے جانے والے کو دیکھ سکے۔

صفدر نے گھڑی دیکھی۔ گیارہ بج چکے تھے۔ مگر ابھی تک جزل پوسٹ آفس میں آنے جانے والوں میں کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیا تھا جس پر اُس کی جہانگیرہ نظریں شبہ کر سکیں۔ اب تک چائے کی تین پیالیاں پی چکا تھا۔

قریباً بارہ بجے ایک سیاہ مرسیڈیز جو نئی تھی نہ زیادہ پرانی پوسٹ آفس کے سامنے آکر رکی اور اُس میں سے ایک لڑکی برآمد ہوئی۔ لڑکی بہت زیادہ خوبصورت تھی اور جدید ترین علی بابا سوٹ پہنے حد سے زیادہ ہی اسمارٹ لگ رہی تھی۔ سوٹ کا کپڑا بھی ان دونوں حدود کی مناسبت سے حد سے زیادہ باریک تھا۔ لڑکی کی رنگت سرخی مائل اور بال بھورے تھے۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اور ہاتھ میں سیاہ رنگ کا پرس تھا۔ وہ اپنی ہائی ہیل والی جوتی پر لہراتی ہوئی جی پی او کے صدر دروازے سے گذر کر اندر داخل ہو گئی۔

صفدر کو ہر خوبصورت لڑکی مشتبہ ہی لگتی تھی۔ اس نے جلدی سے چائے کا بل ادا کیا اور تیز چلتا ہوا لڑکی کے پیچھے ہی جی پی او کے صدر دروازے میں داخل ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ لڑکی اندر جا کر گم ہو جاتی وہ ہال میں پہنچ گیا تھا اور لڑکی کو اسی ناز و انداز سے چلتی ہوئی جزل پوسٹ ماسٹر کے دفتر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لڑکی ٹھیک آدھ گھنٹہ بعد جزل پوسٹ ماسٹر کے دفتر سے برآمد ہوئی اور اسی انداز سے چلتی ہوئی صدر دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔

صفدر نے فوری طور پر اُس لڑکی کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ بھی جلد ہی باہر آگیا۔ لڑکی اپنی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ صفدر تیزی سے اپنے اسکوٹر کی طرف بڑھا تھا وہ لک پر لک لگا رہا تھا مگر اسکوٹر اسٹارٹ نہ ہوا۔ لڑکی ہاتھ سے نلکی جا رہی تھی۔ اُس نے اپنا اسکوٹر برابر ہی ایک پان سگریٹ کی دوکان والے کی تحویل میں دیا اور سڑک پر کھڑے ہو کر ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔

لڑکی ابھی زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ ایک ٹیکسی آگئی اس نے جلدی سے دروازہ کھولا اور بیٹھتا ہوا ڈرائیور سے بولا۔ ”اس سیاہ مرسیڈیز کا پیچھا کرو۔۔۔۔۔ جلدی!“

ٹیکسی ڈرائیور نے ایک سرسری نظر صفدر پر ڈالی تھی اور ٹیکسی کو سیاہ مرسیڈیز کے تعاقب میں

ال دیا تھا۔

صفدر نے نشست کی پشت گاہ سے ٹیک لگادی تھی۔ اس گھبراہٹ میں کہ کہیں وہ لڑکی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ صفدر اس بات سے بے خبر رہا تھا کہ ٹیکسی کے حرکت میں آنے ہی ایک اور ذی نے ٹیکسی کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔

تینوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی ہوئی شہر کے اس حصے میں داخل ہو چکی تھیں جہاں ٹریفک بہت بڑھ تھا۔

بار بار سنگٹوں پر رکنے کی وجہ سے صفدر کو اندیشہ تھا کہ کہیں لڑکی کی کار نگاہ سے اوجھل نہ جائے۔ اُس نے ایک بار بھی پیچھے نظر نہیں ڈالی تھی۔

لڑکی کی گاڑی شہری حدود کو طے کرتی ہوئی مضافات کی طرف بڑھ رہی تھی۔ صفدر نے بھی ٹیکسی ڈرائیور کو رفتار تیز کرنے کی ہدایت کی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے مناسب فاصلہ کھتے ہوئے ٹیکسی کی رفتار بڑھادی۔ وہ اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی ہوشیار ثابت ہوا تھا۔

البتہ ٹیکسی کے تعاقب میں آنے والی گاڑی نے فاصلہ زیادہ رکھا تھا۔ لڑکی مضافات کو چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ مضافات کی آبادی ختم ہو گئی۔ مرسیڈیز کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔ غیر آباد علاقہ تھا۔ اس لئے اب خال خال ہی کوئی عمارت نظر آتی تھی۔ پھر لڑکی اپنی گاڑی کو ایک ایسے میدانی علاقے میں لے گئی جہاں کچھ عمارتیں نظر رہی تھیں۔

ٹیکسی ڈرائیور نے اچانک ٹیکسی کی رفتار کم کر دی۔

صفدر نے اُسے رفتار تیز کرنے کو کہا کیونکہ لڑکی کی گاڑی بہت تیزی سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور نے سنی ان سنی کر دی۔ پھر صفدر یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ ٹیکسی ایک عمارت ناکپاؤٹ میں داخل ہو کر پورچ میں جا رہی تھی۔

”یہاں کیوں روکی ہے ٹیکسی۔۔۔۔۔؟“ صفدر نے جھلا کر پوچھا۔

”اس لئے کہ آپ کی منزل مقصود یہی ہے۔!“ ڈرائیور نے پلٹ کر جواب دیا اور معنی خیز انداز میں مسکرائے۔

اتنے میں وہ گاڑی بھی پیچھے آرکی جو جی۔ پی۔ او ہی سے تعاقب میں رہی تھی۔ صفدر اُس کی

پاس کسی عمارت کے آثار نہ دکھائی دیئے۔ یہ قریب قریب دیرانہ ہی تھا۔
پھر سمت کا تعین کئے بغیر ہی اُس نے ایک طرف دوڑ لگادی۔

اُسے خدشہ تھا جلد ہی اس واقعے کا علم عمارت کے اندر جانے والوں کو بھی ہو جائے گا اور اگر وہ
تینوں ہی چہار دیواری پھلانگ کر اُس کی طرف دوڑ پڑے تو ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔
اس لئے ان کی دسترس سے جلد از جلد جتنا بھی ممکن ہو دور نکل جائے تو بہتر ہے۔ اس نے رفتار تیز
کردی تھی۔ انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ بے آواز دوڑ تار ہے۔ بدحواسی کے عالم میں اُسے یہ اندازہ
بھی نہیں ہو سکا تھا کہ اس وقت وہ کس جگہ پر ہے۔

دوڑتے دوڑتے مڑ مڑ کر بھی دیکھ لیتا تھا کہ وہ تینوں اُس کے تعاقب میں تو نہیں آرہے ہیں۔
اور اب وہ بہت آگے نکل آیا تھا۔ اب اتنی تیزی سے دوڑ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ لمبی لمبی
گھاس کے درمیان پہنچ گیا تھا۔

روڈ کے اختتام پر اس نے محسوس کیا کہ دم لینا ضروری ہے۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ جی
چھوڑ کر دوڑا تھا۔

وہ رک گیا اور کھڑا آگے پیچھے جھولتا ہوا ہانپتا رہا۔ اب اُس کے سامنے سوال یہ تھا کہ جائے کہاں؟
یہ تو کوئی دیرانہ تھا اور وہ گہرے بادلوں سے ڈھکے ہوئے آسمان کے نیچے حیران و پریشان کھڑا تھا۔
دس منٹ گزر گئے۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

جلد ہی اونچی گھاس کے الجھیرؤں سے نجات مل گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایسے میں بارش شروع
ہو گئی تو کیا ہوگا۔ کچھ دور چل کر ڈھلان شروع ہو گئی تھی اور وہ بہت احتیاط سے قدم اٹھانے لگا تھا۔
ابھی ڈھلان کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ بڑی بڑی بوندیں آگئیں اور اس نے غیر ارادی طور پر
پیر دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ اس بار وہ تھکن کی وجہ سے منہ کے بل قد آدم جھاڑیوں میں گرا تھا اور
بوکھلا کر اٹھا تو ایسا لگا جیسے ان جھاڑیوں کی دوسری طرف کوئی عمارت موجود ہو.... اور وہ واقعی ایک
چھوٹی سی عمارت تھی۔ وہی نہیں.... وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اور بھی کئی عمارتیں تھیں۔ وہ
جھپٹ کر قریبی عمارت کے برآمدے میں جا پہنچا۔

بارش جس زور و شور سے ہوئی تھی اُسی طرح اچانک ختم بھی گئی اور وہ دیوار سے ٹکایہ سوچتا رہا
کہ اب کیا کرے۔ نہ ہی اندازہ تھا کہ وہ شہر سے اس وقت کتنی دور ہے اور نہ ہی اس کا کوئی امکان نظر

طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ پھر وہ ڈرائیور کی طرف مڑا ہی تھا کہ اُس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر طویل
سانس لی چوٹ ہو گئی تھی۔

آنے والی گاڑی سے دو آدمی اتر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور نظر آرہے تھے۔ صفدر سختی
سے ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔

”اترو....!“ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

”مم..... میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ تم تلاشی لے سکتے ہو!“ صفدر نے بھرائی ہوئی
آواز میں کہا۔

”نیچے اتر کر بات کرنا....!“ ڈرائیور نے اپنے پستول کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

”بہت اچھا....!“ صفدر نے سعادت مندی سے جواب دیا۔ مگر ٹیکسی سے نہیں اتر۔ اُس کا
ذہن بڑی تیزی سے بچاؤ کی کوئی تدبیر سوچ رہا تھا۔ اُس نے عمارت پر ایک نظر ڈال کر یہ اندازہ لگالیا
تھا کہ اگر وہ چار دیواری پھلانگ سکا تو پھر ان تالائقوں سے چھٹکارا پاسکے گا۔

”میں نے کہا تھا نیچے اترو....!“ ڈرائیور نے سرد لہجے میں کہا۔

”پپ..... پہلے تم اترو.... مجھے پستول سے ڈر لگ رہا ہے۔“ صفدر نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

ٹیکسی ڈرائیور فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔ صفدر اسی بات کا منتظر تھا اس نے پچھلا دروازہ
اتنی زور سے کھولا کہ ٹیکسی ڈرائیور اس کی زد میں آگیا۔ ”آف“ کر کے اُس نے خود کو سنبھالنے کی
کوشش کی لیکن صفدر کے لئے یہی ایک لمحہ کافی تھا۔ وہ تیزی سے باہر آیا اور دوڑ کر لان پھلانگتا ہوا
چار دیواری کی طرف بڑھ گیا۔ اتنا اندازہ تو اُسے ہو ہی گیا تھا کہ وہ اس چہار دیواری کو کسی بھی جگہ
سے پھلانگ سکے گا۔ اس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ باہر والی تبدیلی کا علم اندر جانے والوں کو نہ
ہو جائے۔ ورنہ جان بچانا مشکل ہو جائے گی۔

ڈرائیور کو شاید چوٹ زیادہ ہی لگی تھی۔ ورنہ اب تک وہ فائر کر چکا ہوتا۔

صفدر جان کی پرواہ کئے بغیر دونوں ہاتھ اٹھا کر اچھلا اور دیوار کا سر اٹھائے ہوئے اٹھتا چلا گیا۔
ایک لمحہ بھی مزید دیر ہو جاتی تو وہ اس گولی کا نشانہ بن چکا ہوتا جو ڈرائیور کے پستول سے نکل کر اُس
کی طرف آئی تھی۔

دوسری طرف اترتے وقت اُس نے خاصی احتیاط سے کام لیا تھا۔ زمین مسطح اور سخت تھی آس

آ رہا تھا کہ وہ کسی طرح شہر تک پہنچ سکے گا۔ تھکن سے بے حال تھا اور پیدل چلنے کی سکت سے محروم۔ اچانک اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اس عمارت کے مکینوں سے مدد طلب کی جائے۔ ٹیکسی ڈرائیور کی فریب دہی کی کہانی سنانا مناسب رہے گا۔

وہ کال بیل کا مٹن دبانے ہی والا تھا کہ اُس کی نظر دروازے پر پڑے ہوئے قفل پر گئی اور وہ عمارت متقل ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عمارت خالی ہے۔

ایک نئے خیال نے اس کے ذہن میں جنم لیا۔ ہو سکتا ہے عمارت خالی نہ ہوا سکے مکین کہیں گئے ہوں اور یہاں ٹیلی فون بھی موجود ہو۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے پرس نکالا اور اس کے ایک خانے میں انگلی ڈال کر کچھ تلاش کرتا رہا۔ پھر وہ باریک سا اوزار قفل کے سوراخ میں ریگ گیا تھا جو اس کے پرس سے برآمد ہوا تھا۔

قفل کھلنے میں دیر نہ لگی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور پھر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ اُس نے احتیاط کے ساتھ پورے مکان کا جائزہ لیا۔ تین کمروں کے اس چھوٹے سے مکان میں بلا آخر اُسے اپنی مطلوبہ چیز مل ہی گئی۔

ٹیلی فون اور ڈائریکٹری دونوں ہی موجود تھے۔ اُس کے چہرے پر تازگی آگئی تھی۔ اس نے جھک کر دیکھا ساکٹ میں نمبر کارڈ موجود نہیں تھا۔

اس نے جلد جلد جو لیا کا نمبر ڈائیکل کیا۔ جو لیا موجود نہیں تھی۔ پھر اس نے عمران کو کال کرنا مناسب سمجھا۔

”ہلو.... عمران بول رہا ہوں۔!“

”میں صفدر ہوں.... جناب....!“ دوسری طرف سے صفدر کی بھرائی ہوئی آواز آئی۔

”کیوں ہو....؟“ عمران نے کہا۔

”میں دشواری میں پڑ گیا ہوں۔!“

”اس وقت....؟“ عمران نے کہا۔

”سنئے اور سنجیدگی کے ساتھ....؟“ صفدر نے جھنجھلا کر کہا۔ ”ایک ٹیکسی ڈرائیور اور دو آدمی

مجھے پکڑنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے میں نکل بھاگا۔ وہ عمارت کسی دیرانے میں ہے۔ اب

بھاگتے بھاگتے ایک اور دیرانے میں نکل آیا ہوں اور اس وقت ایک خالی عمارت میں ہوں جس کا قفل کھول کر اندر آ گیا ہوں۔ یہاں فون موجود ہے مگر نمبر کارڈ اُس پر موجود نہیں۔!“

”تم نے بھاگ کر غلطی کی ہے۔ جاننا چاہئے تھا کہ تمہیں پکڑ کر دیرانے میں لے جانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ بہر طور اُس عمارت کا محل وقوع بتاؤ....!“ عمران نے کہا۔

”کچھ اندازہ نہیں ہو رہا کہ اس وقت کہاں ہوں اور نہ ہی اپنے میں اتنی سکت پاتا ہوں کہ پیدل ہل پڑوں۔ کسی سواری کے ملنے کا بھی امکان نہیں ہے۔!“

”تو پھر اسی طرح بے سر دبا بولتے رہو۔ میں ابھی دریافت کرتا ہوں کہ وہ فون نمبر کس کا ہے۔“ عمران نے اس کو ہدایت کی۔

”میں سمجھ گیا جناب....!“ صفدر کی آواز آئی۔

اور پھر اُس نے بے سر دبا باتیں شروع کر دی تھیں۔



گرج بھی رہے تھے اور برس بھی رہے تھے۔

رحمان صاحب کا غصہ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ بات بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ابھی ابھی کیپٹن فیاض نے انہیں اطلاع دی تھی کہ فائیل پی سکس سیونٹی نائین غائب ہو گئی ہے۔

”تم خود ہی فیصلہ کرو کہ ڈپٹی ڈائریکٹری کے اہل ہو؟“ رحمان صاحب نے غصے سے سوال کیا۔

”جی.... جی.... وہ....!“ کیپٹن فیاض کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی۔

”کیا.... جی.... جی.... مجھے بہر صورت وہ فائیل چاہئے۔!“ رحمان صاحب بگڑ کر بولے۔

”جی.... وہ.... عمران....!“ فیاض نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”تمہیں عمران فوبیا ہو گیا ہے۔ کبھی اُسے ہم سے اڑاتے ہو کبھی دریائے دکر تے ہو۔ ہر بات میں ٹھن.... عمران.... کی رٹ لگاتے رہتے ہو۔!“ رحمان صاحب غصے سے کمرے میں ٹپکتے ہوئے بولے۔

فیاض اس وقت دل ہی دل میں عمران کو ہتھکڑیاں فی سیکنڈ کے حساب دے رہا تھا۔ وہ

رحمان صاحب کو یہ بات بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ عمران نے بھی اس سے وہ فائیل مانگا تھا.... اور

اب جو یہ فائیل غائب ہوا ہے تو اُسے عمران نے ہی غائب کر لیا ہو گا۔ یقینی طور پر بھی نہیں کہا

جاسکتا تھا کہ عمران نے ہی غائب کر لیا ہے یا کسی اور کے ہاتھ کی صفائی ہے۔ ہر دو صورت میں اُس

کی نا اہلی ہی ثابت ہوتی ہے۔

رحمان صاحب پندرہ منٹ سے اُسے جھاڑ رہے تھے اور اُسے اپنے وہ خواب خطرے میں پڑتے نظر آرہے تھے جو وہ رحمان صاحب کے ریٹائرمنٹ کے بعد خود ڈائریکٹر جنرل بننے کے سلسلے میں دیکھ رہا تھا۔

”جاسکتے ہو.....!“ رحمان صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اُسے جانے کا حکم دے دیا۔

فیاض بڑی بے چارگی کے ساتھ اٹھا اور کوٹھی سے باہر آگیا دل تو اس کا بھی چاہ رہا تھا کہ کہیں سے عمران مل جائے تو اُسے اسی وقت شوٹ کر دے۔ بیسیوں بار ایسا ہو چکا تھا کہ عمران ہی کی وجہ سے اُسے اُس کے باپ سے جھاڑ سنا پڑی تھی۔

عمران سے ملاقات ضروری تھی۔ اُسے ہرگز اس بات پر یقین نہیں تھا کہ عمران جنک یارڈ والی عمارت میں دھماکے کے وقت موجود رہا ہو گا۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو کتے کی آواز والا اس کو فون کر کے ہرگز بور نہ کرتا۔ اتنی عقل فیاض بھی رکھتا تھا اور یہ بات فیاض اور رحمان صاحب کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہ تھی کہ عمران جنک یارڈ والی عمارت میں گیا تھا۔ اس کی خبر بھی کتے والے نے ہی دی تھی۔ ورنہ فیاض بھی لاعلم ہی رہتا۔

فیاض نے فوری طور پر عمران کے فلیٹ پر ایک آدمی تعینات کرنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ فلیٹ کی نگرانی ہو سکے۔ اُسے یقین تھا کہ عمران اپنے فلیٹ پر نہ ہو گا۔

اس کے لئے سب سے بڑی پریشانی کی بات یہ تھی کہ رحمان صاحب نے فائیل کہیں سے بھی مہیا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس سلسلے میں عمران کو شیشے میں اتارنا ضروری تھا۔ دھونس دھڑلے سے کام نہیں چل سکتا تھا۔

فیاض نے اپنے گھر پہنچ کر عمران کے فلیٹ کے فون پر زنگ کیا۔

ریسیور گلرخ نے اٹھایا تھا۔ ”ہلو.....!“

”میں ڈپٹی ڈائریکٹر فیاض بول رہا ہوں۔!“ دوسری طرف سے فیاض نے گلرخ کی آواز سن کر مٹھاس بھرے لہجے میں کہا۔

”اوہ..... کپتان صاحب.....!“ گلرخ نے چپک کر کہا۔ ”کیا بات ہے.....؟“

”عمران آیا یا نہیں.....؟“

”کیا مطلب..... آپ نے ہی تو ان کے لئے بُری خبر سنائی تھی۔!“ گلرخ گلوگیر آواز میں بولی۔
”وہ خبر غلط ثابت ہوئی۔ عمارت کے بلے میں کسی انسانی بلے کی ملاوت ثابت نہیں ہو سکی۔!“
فیاض نے دوسری طرف سے کہا۔

”آپ کے منہ میں کچی شکر..... ہمارا تو روتے روتے بُرا حال ہو گیا۔ اس خوش خبری پر آپ وایک کپ کافی ضرور پلاؤں گی۔ جب بھی آپ آئیں گے۔!“
”وہ واپس آیا..... یا نہیں.....؟“

”نہیں.....!“ گلرخ نے عمران کی ہدایت کے مطابق انکار کرتے ہوئے کہا۔

”جب بھی واپس آئے اس سے کہنا کہ فوراً مجھ سے ملے۔!“

”بہت اچھا.....!“

سلسلہ منقطع کر کے وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہو گئی۔



لڑکی فرائے سے کار اڑائے لئے چلی جا رہی تھی۔ راستہ کچا اور ناہموار تھا۔ رفتار تیز ہونے کی وجہ سے کار ہچکولے کھا رہی تھی۔

لڑکی شائد بہت جلدی میں تھی۔ اس کی نظر سامنے راستے پر جمی ہوئی تھیں۔ اپنی دھن میں وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ پیچھے کی جانب ڈکی کا ڈھکن آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہا ہے۔

ڈکی کا ڈھکن اتنا کھل چکا تھا کہ ایک آدمی نے اس کے اندر سے دائیں جانب والے نشیب میں چھلانگ لگادی تھی۔ گاڑی بدستور فرائے بھرتی نکلی چلی گئی۔

چھلانگ لگانے والے کے ہاتھ میں ایک بریف کیس بھی تھا۔ وہ بڑی تیزی سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ پھر کمر کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائی اور آنکھوں میں چاند، سورج، تارے سبھی کچھ بہ یک وقت ناچ کر رہ گئے۔ کوئی بڑا سا پتھر راہ میں رکاوٹ بن گیا تھا۔ ورنہ یہ چھلانگ اُسے کسی گہری کھد میں بھی لے جاسکتی تھی۔ کمر میں ایسی ہی چوٹ آئی تھی کہ کئی منٹ تک اس کے جسم میں ہلکی سی جنبش بھی نہ ہو سکی۔

آنکھیں بند کئے دم بخود پڑا رہا..... اور کرتا بھی کیا.....؟ فی الحال چوٹ کی وجہ سے سب کچھ غائب ہو گیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کمر کی چوٹ نے سارے جسم کو سن کر دیا ہو۔

ریڑھ کی ہڈی تو نہیں ٹوٹ گئی؟ اس خیال پر ذہن میں جھماکا سا ہوا لیکن پھر فوراً ہی خیال کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹتی ہے تو انسان سوچنے کے قابل ہی کب رہ جاتا ہے۔

کچھ وقت اور گزر گیا۔ اُس کا ذہن آہستہ آہستہ صاف ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے اٹھنے کوشش کی اور بخیر وعافیت اٹھ بھی بیٹھا۔ البتہ کمر کی تکلیف بدستور قائم تھی۔ یہ ساری تکلیف بریف کیس کے حصول کے لئے اُس نے اٹھائی تھی۔

وہ ایک ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے سر پر پھیلے ہوئے نیلے آسمان کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہ دے رہا تھا۔

جہاں سے لڑھکتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا وہاں قدم بجا کر کھڑا ہو گیا اور جھک کر دیکھا تو ڈھلا کو قابل عبور پایا۔

کچھ دور چلتے کے بعد دو تین فٹ گہرے ایک نالے میں اتر گیا۔ نالا بتدریج ڈھلوان ہوتا چلا گیا۔ وہ خاموشی سے چلتا رہا۔ بریف کیس اُس کے بائیں ہاتھ میں دبایا ہوا تھا۔

آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد وہ ایک مسطح جگہ پر رک گیا۔ جیب سے ٹرانس میٹر نکالا اور ایک طائرانہ نظر اپنے اطراف پر ڈال کر بولا۔ ”ہلو..... بلیک زیرو.....!“

”یس..... ہمیر از بلیک زیرو.....!“ بلیک زیرو نے فوراً جواب دیا۔

”محل وقوع سمجھو.....!“

پھر اُس نے بلیک زیرو کو اُس جگہ کا محل وقوع سمجھایا جس جگہ وہ اس وقت موجود تھا۔

”میں میک اپ میں ہوں..... جیب لے کر آ جاؤ۔!“

”بہت اچھا..... ایک اور بات.....!“ بلیک زیرو نے دوسری طرف سے کہا۔

”آپ کے رہائشی فلیٹ کی نگرانی دو پارٹیاں کر رہی ہیں ایک آدمی کیپٹن فیاض کا ہے اور دو آدمی کسی اور سے تعلق رکھتے ہیں۔!“

”میں نے سب کو منع کر دیا ہے کہ میری واپسی کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔!“

”میں پہنچ رہا ہوں۔!“

”اوور اینڈ آل.....!“

عمران نے ایک طویل سانس لے کر ٹرانس میٹر جیب میں رکھا اور نہ جانے کیا سوچتا ہوا دور خلا میں گھورنے لگا۔



عمران سائیکو مینشن کے ایک کمرے میں بیٹھا بڑے انہماک سے ان کاغذات کا جائزہ لے رہا تھا جو بریف کیس سے برآمد ہوئے تھے۔

یہ وہی فائل تھا جس کا مطالبہ اُس نے خود فیاض سے کیا تھا۔ مجرم حرکت میں آگئے تھے۔ اُس سے پہلے ہی انہوں نے فائل پر ہاتھ صاف کر دیا تھا۔ مگر پھر وہ عمران کے ہاتھ لگ گئے۔ فیاض کے محکمے میں کوئی نہ کوئی اس لڑکی کا منظور نظر رہا ہو گا جس کے ذریعہ اُس لڑکی نے فائل حاصل کیا تھا۔ بہر حال یہ عمران کا مسئلہ نہیں تھا۔

عمران نے کاغذات ایک طرف رکھ کر طویل سانس لی اور سر اٹھا کر بولا۔ ”سب کچھ چھپت ہو گیا۔“

بلیک زیرو میز کی دوسری طرف خاموش بیٹھا تھا۔

”کیا جناب.....؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”مجھے کاغذات کی نوعیت کا علم نہیں تھا۔!“

”آخر یہ کیسے کاغذات ہیں.....؟“

”ان کاغذات میں ایک ایسے اسمگلر کی نشان دہی کی گئی ہے جو بہ یک وقت اسمگلر بھی ہے اور بلیک میلر بھی۔ مگر اس کا اصل کام دونوں سپر پاورز کو ذیل کر اس کرنا تھا۔ جس بھی ترقی پذیر ملک میں جس پاور کے مفاد ہوتے وہ ان کی حفاظت کرتا تھا۔ خود ایک بین الاقوامی مجرموں کے ٹولے کا سربراہ تھا اور ترقی پذیر ملکوں یا طفیلی ملکوں میں مسلح بغاوتیں کرانے کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ پھر وہ مسلح بغاوت کے لئے اسلحہ بھی خود ہی اسمگل کرتا تھا۔ تم جانتے ہو کہ اسلحے کے بغیر کوئی ایسی بغاوت ممکن نہیں ہوتی۔ ان کاغذات میں کچھ ایسے لوگوں کے نام بھی ہیں جو ملک سے فرار ہو گئے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اندرونی طور پر کس ملک کے لئے کام ہو رہا ہے۔“

”اس قسم کا تو ایک ہی بلیک میلر ہے۔!“ بلیک زیرو بولا۔

”شائد تم سنگ ہی کا نام لو گے۔!“ عمران نے کہا۔

”ہاں.....!“

”نہیں.... یہ فائل اس جیسے متعلق نہیں ہے۔“ عمران نے کہا اور پھر ایک دم چونک کر بولا۔ ”حد ہو گئی حماقت کی!“

”یعنی....؟“ بلیک زیرو نے کہا۔

”کچھ نہیں۔ اب تو سارے ڈرامے کا سیٹ اپ ہی بدلنا پڑیگا۔“ عمران پر تشویش لہجے میں بولا۔

”نواب شاکر علی شاطر کے بارے میں کیا خیال ہے....؟“

”کچھ نہیں....!“ عمران بولا۔ ”مشتمل دماغ کے لوگ سازشیں نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی سازش کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ سازش کے لئے دماغ کا ٹھنڈا ہونا ضروری ہے اور شاطر بے چارا اس صفت سے محروم ہے۔ میں نے اُسے لسٹ سے نکال دیا ہے۔ سارے ڈرامے کا سیٹ نئی بننے والی بندرگاہ پورٹ غلیل کے ارد گرد لگایا جائے گا۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”انسپکٹر باسٹر رشید کا قتل کس خانے میں ڈالیں گے....؟“ بلیک زیرو نے سوال کیا۔

”کسی خانے میں بھی نہیں۔“ عمران نے جواب دیا۔ ”البتہ اُس کی زبان سے نکلنے والے لفظ ”کاموس“ کو کھاتے میں لکھ لیا ہے۔ طاہر صاحب اب بہت جلدی کرنی پڑے گی۔ اگر ذرا سی بھی چوک ہوگی تو ملک کو ناقابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی سیدھا سادا اسگنگ کا معاملہ نہیں ہے۔“

”اُدھ....!“ بلیک زیرو بولا۔ ”اب پروگرام کیا ہے....؟“

”جلد ہی بتاؤں گا....!“ عمران بولا۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ بلیک زیرو نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف سے جوزف کی آواز سن کر بلیک زیرو نے ریسیور عمران کی طرف بڑھا دیا اور خود کمرے سے نکل گیا۔

عمران ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”ہلو....!“

”باس....!“

”کیا بات ہے....؟“

”ادھر گھپلا ہو گیا ہے۔“

”کیا دونوں میں جو تم پیزا شروع ہو گئی....؟“

”نہیں.... وہ دونوں ہاتھ پیر باندھ رہے ہیں۔“ جوزف گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”اے.... شب دیجور کے بچے.... پھر جس پی لی ہے کیا؟ معنوں میں بات کر رہا ہے۔“

عمران نے دانت پیس کر کہا۔

”باس پہلے پوری بات سن لو....!“ جوزف دوسری طرف گڑگڑایا۔

”سنا....!“

”فلٹ میں دو ریوالور بردار آدمی کھس آئے ہیں اور تمہارا پتہ پوچھ رہے تھے۔“

”پھر....؟“

”اُن دونوں کو مار مار کر بے ہوش کر دیا ہے۔“

”ریوالور کو تو ہاتھ نہیں لگایا....؟“

”نہیں باس.... زومال میں پلیٹ کر رکھ دیا ہے۔ نشانات ضائع نہیں ہوں گے۔“

”شاباش.... اچھا ایسا کر.... کیپٹن فیاض کو فون کر کے اس واردات کے متعلق بتا دے۔ اگر

اُسی کے آدمی ہوں گے تو سر پکڑ کر خود رو لے گا اور اگر اس کے آدمی نہ ہوئے تو خود پیٹ لے گا۔

میں فی الحال ان سب کو نظر انداز کر دینا چاہتا ہوں۔ بے کار مہرنے ہیں۔ وقت برباد ہو گا۔“

”اگر کپتان صاحب نہ ملیں تو....؟“

”محلے کے تھانے میں فون کر دینا۔ جو آفیسر ڈیوٹی پر ہو اُسے پورا واقعہ بتا دینا۔ وہ خود لے

جائے گا آکر.... الزام لوٹ مار کا لگا دینا۔“

”او.... کے.... باس.... میں بھی نہیں چاہتا کہ یہ زیادہ دیر تک یہاں پڑے رہیں۔ کہیں

اُن کے اور ساتھی نہ ہوں اور الٹا ہم پر الزام لگا کر پولیس لے آئیں۔“

”دیکھ لے.... چرس چھوڑ کر کتنی عقلمندی کی باتیں کرنے لگا ہے۔ جلد ہی تجھے ایسے علاقے

میں پہنچا دوں گا جہاں نسوار پر لگ جائے گا۔“ عمران چمکتا ہوا بولا۔

”تھینک یو.... باس....!“ جوزف خوش ہو کر بولا۔

”اور ہاں.... دیکھ ظفر الملک اور جیمسن سے کہہ دے کہ وہ تیار رہیں۔ آدھی رات کے بعد

تم تینوں کو فلٹ چھوڑ دینا ہے۔“



ادھر عمران نے اپنی مہم کے لئے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ چھ آدمیوں کی گنجائش کا ایک چھوٹا سا خیمہ بندوین پر بار کر دیا گیا تھا۔ خورد و نوش کے سامان کے ساتھ ساتھ لومڑیوں کے شکار

کاسمان بھی رکھ لیا گیا تھا۔ گیس ماسک اور آکسیجن کی تھیلیاں بھی موجود تھیں۔

عمران کی جیب خاص قسم کی تھی جو ضرورت کے وقت اسلحہ خانہ کا بھی کام دے سکتی تھی۔

ٹرک نمادین کے دونوں طرف ”ادارہ تحقیقات طبقات الارض“ کا میز چپاں تھا۔

اس مہم میں عمران نے ظفر الملک، جیمسن اور جوزف کو ہی ساتھ لے لیا تھا۔ ٹیم کے باقی لوگ جہاں جہاں متعین تھے ان کو بدستور وہیں رہنے دیا تھا اور بلیک زیرو کو عمران نے پہلے ہی روانہ ہو جانے کی ہدایت کر دی تھی۔

جیمسن جیب ڈرائیو کر رہا تھا اور عمران اُس کے برابر میں بیٹھا تھا۔ بندوین جوزف چلا رہا تھا اور ظفر اس کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا۔

اس طرح یہ قافلہ سپر ہائی وے سے گذرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

”کب تک اسی طرح چلتے رہیں گے پور میجسٹی....؟“ جیمسن نے عمران سے پوچھا۔

”معلوم نہیں....!“ عمران نے معصومیت سے کہا۔

”جب آپ کو بھی معلوم نہیں تو کیوں نہ یہیں پڑاؤ ڈال دیا جائے۔!“ جیمسن نے مشورہ دیا۔

”اچھا تو پھر رک جاؤ۔!“ عمران احمقانہ انداز میں بولا۔

”یور ہائی ٹس.... شاید آپ پر سفر کا اثر کچھ زیادہ بہتر نہیں ہو رہا۔!“ جیمسن بولا۔

”برائے مہربانی قافیہ بندی کی کوشش نہ فرمائیے گا۔!“ عمران نے کہا۔

”آپ کے اندازے کے مطابق ابھی کتنا فاصلہ باقی ہے۔!“ جیمسن نے پوچھا۔

”زیادہ سے زیادہ پانچ یا چھ میل۔!“ عمران نے کہا۔

”یعنی صرف پلکوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں۔!“

”ٹھیک سمجھا آپ نے۔!“ عمران نے چزانے والے انداز میں کہا۔

اتنے میں جوزف نے اپنی گاڑی عمران کی سائیڈ پر لگالی اور بولا۔ ”باس جلد سے جلد پہنچنے کی

کوشش کیجئے۔ آگے چٹانی راستہ شروع ہو رہا ہے۔ اگر راستے میں کچھ چٹانیں حائل ہوئیں تو یہ بھی

دیکھنا ہو گا کہ آسانی سے کیسے عبور کی جاسکتی ہیں۔!“

”جوزف ٹھیک کہہ رہا ہے۔!“ جیمسن رفتار تیز کرتا ہوا بولا۔ ”اندھیرا پھیلنے میں اب زیادہ دیر

نہیں لگے گی۔ سورج غروب ہونے ہی والا ہے۔!“

عمران کی آنکھوں میں تشویش کے آثار صاف پڑھ جاسکتے تھے۔

جوزف نے اپنی وین آگے کرتے ہوئے کہا۔ ”میں آگے چلوں گا باس.... اگر کسی نے

بھیڑ ہو گئی تو بات بھی خود ہی کروں گا۔ یوں تو ہم سب ہی اعلیٰ قسم کے میک اپ میں ہیں۔ مگر

باس تم اپنے لہجے کی وجہ سے پہچان لئے جاتے ہو۔!“

”اب آگے بھی بڑھ.... بڑا آیا مجھے سبق پڑھانے والا....!“ عمران گڑبڑ بولا۔

دو میل بعد چٹانی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جوزف نے حتی الامکان جلد از جلد چٹانوں تک پہنچنے

کی کوشش کی تھی اور ان کو عبور کرنے کے لئے جگہ بھی منتخب کر لی تھی۔

راستہ دشوار گزار ثابت ہو رہا تھا۔

عمران بڑے غور سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ

چٹانیں زیادہ تر اندر سے کھوکھلی ہوں گی۔ اسی وجہ سے ان میں گزر گاہیں بنانا آسان ہو گئی تھیں۔

رات کی سیاہی گہری ہونے سے پہلے پہلے یہ لوگ اس بستی میں پہنچ گئے جو خیموں کی بستی

کہلاتی تھی اور جہاں زیادہ تر مایہ گیر آباد تھے۔

ان لوگوں نے بھی مناسب جگہ کا انتخاب کر کے اپنا خیمہ گاڑ لیا تھا اور دونوں گاڑیاں خیمے کی

پشت پر کھڑی کر دی تھیں۔

کسی نے ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ جیسے خیمے گاڑتے چلے جاتا یہاں کے لوگوں کا

معمول رہا ہو اور ایک ایک دو دو خیمے ضرور تا گاڑتے گاڑتے خود بخود ایک بستی بن گئی ہو۔

بھوک شباب پر تھی.... اور تھکن اضمحلال پیدا کر رہی تھی۔

”مجھے تو یہ جگہ بڑی شاداب لگ رہی ہے۔!“ جیمسن بولا۔ ”ہم اتنے دنوں سے صرف جھک

ماتے رہے۔ آپ پہلے ہی اس طرف متوجہ کیوں نہ ہوئے....؟“

”میں اب کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔!“ عمران ایک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا۔

ظفر اور جوزف اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”ہم بڑی دشواری میں پڑ گئے ہیں۔ تم تصور نہیں کر سکتے۔!“

”آخر کچھ بتائیے بھی....!“ ظفر نے پوچھا۔

”مجھے صرف ایک چیز کی تلاش یہاں کھینچ لائی ہے۔!“ عمران سنجیدگی سے بولا۔

”بالکل..... بالکل.....! جیمنس اُس کی بات سمجھتا ہوا بولا۔

وہ رک گئے تو ظفر الملک اور جوزف آگے بڑھتے چلے گئے۔

عمران نے جیمنس سے کہا۔ ”ہم یہاں پکنک پر تو آئے نہیں ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا!.....؟“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں.....!“

”خیر سنو..... ہمیں کیا کرنا ہے..... یعنی مجھے اور تمہیں.....! آج رات ان دونوں کو ہم خیمے

میں سوتا چھوڑ جائیں گے۔ تلاش کا آغاز خیمے کے آس پاس سے ہی کریں گے۔!“

”اگر رات کو یہاں پہرہ لگایا جاتا ہو تب.....؟ کل رات کی تو ہمیں خبر ہی نہیں! جیمنس

پر تشویش لہجے میں بولا۔

”یہ سب مجھ پر چھوڑ دو..... تمہیں بس رات کو تیار رہنا ہے۔!“

”بہت بہتر.....! جیمنس بڑی سعادت مندی سے بولا۔

”اچھا..... بس اب چلو..... مجھے یقین ہے کہ ہم اسلحے کا ذخیرہ دریافت کر لیں گے۔ جہاں

ہمارا ذخیرہ ہے اس کی پشت پر بکھری ہوئی چٹانیں بہت کچھ کہتی معلوم ہو رہی ہیں۔!“

وہ دونوں پھر بستی کی طرف چل پڑے۔ جوزف اور ظفر الملک کئی بات پر الجھتے الجھتے ان سے

پہلے ہی بستی میں داخل ہو گئے تھے۔

آج رات مطلع ابر آلود نہیں تھا۔ چاروں طرف شفاف چاندنی بکھری ہوئی تھی جیمنس اور

عمران لومڑی کے شکاریوں کے میک اپ میں تھے۔ عمران نے ”ماہر طبقات الارض“ کا لبادہ اتار

کر ایسا میک اپ کر لیا تھا جیسے کہ اکثر نینرز پر آنے والے لومڑیوں کے شکاریوں کا ہوتا ہے۔ کچھ

تبدیلی جیمنس کے چہرے میں بھی پیدا کر دی تھی۔

ظفر الملک اور جوزف کے خراٹوں کی آواز سن کر دونوں خاموشی سے باہر آگئے اور پھر

چٹانوں کے ایک سلسلے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

آدھ گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد عمران ایک جگہ رک گیا۔ ”میں یہاں کے نقشے کے ذریعے

چٹانوں کی بناوٹ اور ان کے سلسلے میں کافی حد تک سمجھ گیا ہوں۔!“ عمران نے کہا۔ ”میں تمہیں

وہ جگہ دکھاتا ہوں جہاں سے ہمیں یہ پہاڑی عبور کرنا ہے۔“ یہ کہہ کر عمران نے مارچ روشن کر لی

اور روشنی کا محدود دائرہ دہائی جانب ریگ گیا۔ یہ کسی غار کا دہانہ تھا۔

”وہ کیا.....؟“

”اسلحے کا ذخیرہ..... میں سچ جھک نہیں مارتا رہا ہوں۔ ساگر اور ضرغام کے ذریعے سے یہی

معلوم ہوا تھا کہ اسلحے سے بھرے ہوئے ٹرک انہیں کبھی کبھی چار سو میل سے آگے بھی لے جاتا

پڑتے تھے۔ یقیناً بڑے پیمانے پر اسلحے کا ذخیرہ کہیں نہ کہیں ہو رہا ہے۔ اسے چھپانے کے لئے یہاں کا

کچھ علاقہ نہایت موزوں ہے اور اگر اسلحہ پورٹ غلیل سے ذخیرے تک پہنچایا جائے تو راستہ اور بھی

کم ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک بڑی زبردست جھیل بھی ہے جہاں بڑے بڑے اسٹیر کھڑے رہ سکتے ہیں

اور وہ جھیل مای گیری کے کام بھی آتی ہے۔ مای گیری کی پوری ایک بستی یہاں موجود ہے۔ خود

سوچو..... ان سے کس قسم کا کام لیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے اندر مچھلیوں کے

ڈھیر کے نیچے چھوٹے مگر انتہائی مہلک ہتھیار چھپا کر کتنی آسانی سے ساحل تک لاسکتے ہیں۔!“

”اوہ میرے خدا.....!“ ظفر حیرت سے بولا۔ ”اندرونی طور پر یہاں یہ ہو رہا ہے؟“

سب خاموش ہو کر اپنی اپنی جگہ کچھ سوچتے رہے تھے۔



بستی کی صبح بڑی خوش گوار تھی۔ سورج کی شعاعیں ہری بھری پہاڑیوں پر گویا پگھلا ہوا سونا

لٹا رہا ہی تھیں ہوا کے خشک خشک جھونکے عجیب طرح کی خوشبوئیں فضا میں بکھیر رہے تھے۔

وہ چاروں خیمے سے نکل آئے تھے۔ عمران نے ایک ایسے پروفیسر کا میک اپ کر رکھا تھا۔ گویا وہ

اپنے طالب علموں کو ”طبقات الارض“ کے بارے میں تحقیق کرانے اس علاقے میں آیا ہے۔ جوزف

پر کوئی خاص میک اپ نہیں کیا تھا۔ صرف ڈاڑھی کا اضافہ کر دیا تھا اور آنکھوں پر چشمہ لگوا دیا تھا۔

ظفر الملک اور جیمنس مؤدب طالب علم ہی لگ رہے تھے۔ انہوں نے سفید اپرن پہن رکھے

تھے اور ہاتھوں میں فائل لے لئے تھے۔ وہ پیدل ہی چل پڑے تھے۔ بستی کے لوگ انہیں یونہی

رواوی میں دیکھتے اور قریب سے نکل جاتے۔ جیمنس نے ایک آدھ کو متوجہ کرنے کی کوشش کی

تو عمران نے اُسے منع کر دیا۔

وہ دن بھر گھومتے رہے تھے۔

ایک جگہ رک کر عمران جیمنس سے بولا۔ ”یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم چاروں اکٹھے گھومیں۔

آؤ ہم کسی اور طرف نکل چلیں۔!“

بار بھی نہ کر سکا اور عمران اچھل کر ایک طرف کود ڈرا۔ اسی کے پیچھے ان چاروں کا سر غنہ بھی دوڑا اور یہی اس کی غلطی تھی۔ عمران بینتر ابدل کر ایک دم پلٹا تھا اور اس نے گھما کر رانقل جو اری تو حملہ آور کے سر پر پڑی۔ نامی گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ عمران نے اچھل کر اُس لی نامی گن اٹھائی اور اُسی گن کا دستہ اس آدمی کے سر پر ایک بار اور رسید کر دیا۔ حملہ آور یہ چوٹ نہ سہہ سکا اور ایک طرف کو لڑھک کر بے حس و حرکت ہو گیا۔

عمران اُسے چھوڑ کر اُن تینوں کی طرف جھپٹا جو جیمسن پر پلے پڑے تھے۔ جیمسن کافی پٹ چکا تھا۔ مگر وہ لوگ اس سے رانقل نہیں چھین سکے تھے۔

عمران نے جما جما کر ان کے ایسی جگہوں پر ضربیں لگائیں کہ وہ فوری طور پر بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر اس نے جیمسن سے کہا۔ ”شکار کے تھیلے میں ڈور کی پلھی ہے نکال لو....!“

جیمسن ریشم کی ڈور کا لچھالے کر پھر اُسی طرف پلٹ آیا۔ پھر دونوں نے اُن چاروں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ عمران سر غنہ کو بھی کھینچ کر ان تینوں کے قریب ہی لے آیا تھا۔

”اب تم یہیں ٹھہرو.... میں اس غار کو اندر سے دیکھتا ہوں!“

پانچ منٹ بھی نہیں لگے کہ عمران غار کے اندر سے نکل آیا اور جیمسن سے بولا۔ ”چلو ان چاروں کو اٹھا کر غار میں پہنچاتا ہے۔ غار کے اندر ایسا سامان موجود ہے جس کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ کسی کا مسکن ہے۔“

”انہی لوگوں کا مسکن ہو سکتا ہے۔“ جیمسن بولا۔

وہ چاروں غار میں پہنچا دیئے گئے۔ انہیں ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ وہاں پائے جانے والے سامان میں کچھ موم بتیاں بھی تھیں جنہیں فوراً روشن کر دیا گیا۔

موم بتیوں کی روشنی میں عمران نے غار کا جائزہ لیا۔

جو اُن کا سر غنہ تھا اُس کے جسم میں جنبش ہوئی تھی۔ وہ خاکی پتلون اور خاکی قمیض پہنے ہوئے تھا۔ خدو خال کے اعتبار سے چاروں مقامی ہی لگتے تھے۔ اس کی تصدیق ان کے لہجے سے بھی ہو گئی۔

”دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری طرح ہوش میں آ گیا۔ لیکن ہاتھ پیر بندھے ہونے کی وجہ سے خاموش پڑا قہر آلود نظروں سے عمران کو گھورتا رہا جو بندروں کی طرح زمین پر اکڑوں بیٹھا اس کی طرف متوجہ تھا۔

اچانک عمران نے نارج بھادی.... اُس نے کسی قسم کی آواز پر ہی نارج بھائی تھی۔ ”بیڑہ جاؤ“ عمران آہستہ سے بولا اور وہ دونوں غار کے دہانے پر ہی بیٹھ گئے۔

احتیاط کے باوجود بھی شائد وہ دیکھ لئے گئے تھے۔

دفعتاً تھوڑے ہی فاصلے پر سے کسی نے چیخ کر کہا۔ ”کون؟ سامنے آؤ ورنہ چلاتا ہوں گولی۔“

عمران فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔ مگر چھپنا بھی بیکار تھا۔ لہذا وہ بھی بھاری بھر کم آواز میں ترخ کر بولا۔ ”تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔“

”ریجنرز....!“

”میں لومڑیوں کا شکاری ہوں.... اجازت نامہ ہے میرے پاس۔“ عمران نے جواب دیا۔

”ادھر شکار نہیں ہے۔“

”ہم تلاش کر لیں گے.... نہ ہو تو واپس چلے جائیں گے۔“ عمران بولا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی عمران نے مدھم چاندنی میں دیکھ لیا تھا کہ وہ تعداد میں چار ہیں۔ آگے اُن کا سر غنہ تھا اور صرف اسی کے ہاتھ میں نامی گن تھی باقی خالی ہاتھ تھے۔

عمران کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ لوگ ریجنرز نہیں ہو سکتے۔ تو کیا ان چٹانوں پر پہرہ ہے؟

عمران ایک بڑے سے پتھر کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھا تھا جیمسن نے بھی رانقل سنبھال لی تھی اور پھر یہ دونوں اچانک ہی اُن چاروں کے سامنے رانقل تانے پہنچ گئے۔

”چاروں اپنے ہاتھ سروں سے بلند کر لو....!“ عمران کڑک کر بولا۔ ”پلے اور مارے گئے۔“

جیمسن نے بھی اُن چاروں کی طرف رانقل تان لی۔ اُن چاروں میں سے تین نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے لیکن اُن کا سر غنہ یونہی سینہ تانے کھڑا اس طرح اُن کو گھور رہا تھا گویا اُن کے ہاتھ میں رانقل نہیں کھلوئے ہوں اور ان کی دھمکی سے محفوظ ہو رہا ہو۔

”اے.... تم بھی اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... اور رانقل ایک طرف ڈال دو۔“ جیمسن نے رانقل سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔

اچانک اُن تینوں کو نہ جانے کیا ہوا کہ جھپٹ کر جیمسن سے لپٹ گئے۔ گھبراہٹ میں جیمسن

ااشوں کے سوا کچھ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔“ سرغنہ لا پرواہی سے بولا۔

”کیا سمجھتے ہو.....؟ تمہارے وہ آقا تمہاری جان کے محافظ ہیں جن کے مفاد کے لئے تم اپنی جان کی بازی لگا رہے ہو.....؟“ اچانک عمران نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”نہ ہوں..... ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اپنوں کی اقتصادی گرفت سے نکلنے کے لئے ہم اُن پر اعتماد کر سکتے ہیں۔“ پھر اچانک اُس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔
عمران نے مسکرا کر اُس کی جانب دیکھا۔

”تو تم بین الاقوامی بلیک میلرز کے ہتھے چڑھ گئے ہو۔“

”ان کے بارے میں عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر میں اس حد تک متفق نہیں ہوں۔“

سرغنہ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”تمہارے متفق ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے.....؟“ جیمسن بولا۔

”خیر..... خیر..... ہم تم سب کو مار کر نکل جائیں گے۔ اگر یہ بتادو کہ کس کے لئے کام کر رہے

ہو تو جان بخشی ہو سکتی ہے۔“ عمران نے لا پرواہی سے کہا۔

”انسانیت کے لئے.....“ سرغنہ بولا۔

”اچھا تو پھر میں انسانیت کا گلا گھونٹ رہا ہوں۔“ عمران نے اُس کی گردن کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یورہائی نس.....!“ جیمسن ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ اس طرح کچھ نہیں بتائیں گے کیوں نہ میں ان سب کو شوٹ کر دوں.....؟“

سرغنہ نے ایک وحشت ناک قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر تک ہنستا رہا اور پھر بولا۔ ”پہلے رائفل کا بوجھ اٹھانے کے قابل تو ہو جاؤ۔“

جیمسن اس کی چوٹ پر تلملا کر رہ گیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت باہر ایک دھماکا ہوا۔

عمران نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سرغنہ کی کپٹی پر زور سے رائفل کا دستہ رسید کیا تھا اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا تھا۔

جیمسن نے بڑھ کر موم بتیاں بجھادی تھیں۔

عمران اندھیرے میں جیمسن کا ہاتھ پکڑ کر غار کے دوسرے دہانے کی طرف دوڑ پڑا تھا۔ اُسے

”شکاریوں کی بددعا لینے کا مزاج کھل لیا تم نے.....؟“ عمران نے اُسے چڑھانے والے انداز میں مخاطب کیا۔

”تم کون ہو.....؟“ وہ دانت پیس کر بولا۔

”جنت سے نکالا ہوا آدمی.....!“ عمران نے معصومیت سے جواب دیا۔

سرغنہ عمران کو قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شاید اس کا سر کہیں سے کھل گیا تھا۔ کیونکہ خون رس رس کر اُس کے چہرے پر آ رہا تھا۔ جیمسن نے وہیں پڑے ہوئے ایک کپڑے سے اُس کا چہرہ صاف کرنا شروع کر دیا۔

اچانک سرغنہ بولا۔ ”تم کوئی بھی ہو مگر اس غار سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔“

”ہم اوپر چڑھ کر پار اتر جائیں گے۔“

”اگر ایسا کرو گے تو تمہیں فوراً گولی مار دی جائے گی۔“

”مگر کیوں.....؟“

”یہ علاقہ ہمارا ہے.....!“ سرغنہ نے جواب دیا۔

”مگر ملک سے باہر تو نہیں..... اور اگر تم یہ بتادو کہ خود تم کون ہو تو تمہارے حق میں اچھا ہی ہو گا کیونکہ رینجر والا بہانہ چلا نہیں!“

”تم شکاری نہیں ہو..... بلکہ اول درجے کے احمق معلوم ہوتے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہو.....؟“ سرغنہ دانت پیس کر بولا۔

”اور تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو.....؟“ عمران ویدے نچا کر بولا۔

”یورہائی نس..... یہ وقت ضائع کر رہا ہے۔ شاید اس کے کچھ اور مددگار بھی ہوں کیوں نہ ہم ان کو مار کر غار کے دوسرے دہانے سے نکل جائیں۔“ جیمسن بالآخر بولا۔

”ہمیں غار کا دوسرا دہانہ بتاؤ..... تاکہ ہم اندر اندر چٹانوں کے اُس پار پہنچ جائیں۔“ عمران نے کہا۔

”چہ خوب..... ہم اسی لئے تو یہاں متعین ہیں کہ کوئی چٹانوں کے اس پار نہ جا پائے تو اُسے

اندر سے جانے کا راستہ بتادیں!“ سرغنہ طنزیہ انداز میں بولا۔

”یورہائی نس..... تھرڈ گری آزمائیے..... چیں بول جائے گا۔“ جیمسن نے مشورہ دیا۔

”کوشش کر کے دیکھ لو..... جب تمہارا تشدد حد سے گذر جائے گا تو ہم مرجائیں گے اور ہماری

یقین تھا کہ یہ غار کہیں نہ کہیں ختم ضرور ہوگا۔

وہ تاریکیوں کی دلدل میں ڈوبتا ہی چلا جا رہا تھا۔ غار آگے جا کر تنگ ہو گیا اور رفتہ رفتہ سرگرمی میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔

”کیا آپ کے پاس نارچ ہے....؟“ جیمسن نے سرگوشی کی۔

”اپنا شکاری تھیلا ساتھ لانا نہیں بھولا ہوں۔“ عمران نے جواب دیا۔ ”مگر نارچ روشن کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ نہ جانے یہ سرگ کہاں جا کر ختم ہو یا غار کے اندر کوئی دوسرا غار موجود ہو۔“

”بڑے چھنے....!“ جیمسن کر ہا۔

”رسک تو لینا ہی پڑے گا۔!“ عمران نے جواب دیا۔

غار کی اونچائی بس اتنی ہی تھی کہ وہ سیدھے چل سکتے تھے۔ کافی دیر تک چلنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جس کی تعمیر میں انسانی ہاتھوں کو زیادہ دخل نہ تھا۔ یہ سرگ نما غار کا دہانہ تھا جس پر باہر سے ایک جھکی ہوئی چٹان سایہ کئے ہوئے تھی۔

ہوا کا ایک خوش گوار جھونکا ان کے چہروں سے ٹکرایا.... اور پھر عمران نے جیمسن کی کمر نہ پکڑی ہوتی تو اس وقت جیمسن کی ہڈیاں بھی سرمہ بن گئی ہوتیں۔

سرگ اوپر اٹھتی چلی گئی تھی۔ دونوں کو گھبراہٹ میں احساس ہی نہ ہوسکا کہ اوپر کی جانب جا رہے ہیں۔ اب غار کا دہانہ ایک چٹان پر جا کر کھلا تھا۔

جیمسن نے آدھا دھڑ دہانے سے نکال کر نیچے دیکھا تو اُس کی روح قتا ہو گئی۔ ایک قدم بھی گئے بڑھ جاتا تو سیدھا نیچے ہی جاتا۔

”کیا خیال ہے....؟“ عمران نے سرگوشی کی۔

”مرتا ہی ہے تو پھر اندیشے کیسے....؟ لگاؤں چھلانگ....؟“ جیمسن نے جواب دیا۔

”واپس چلو.... پھر دیکھیں گے۔!“ عمران نے کہا۔

عمران واپسی کے لئے حرکت میں آیا ہی تھا کہ اندھیرے میں کسی چیز سے ٹکرایا اور گرتے گرتے اُس نے جیمسن کو اپنی طرف کھینچا اور زمین پر بیٹھ کر اُس چیز کو ٹٹولنے لگا جس سے ٹھوکر لگی تھی۔

”اوہ....!“ ایک دم اُس کی زبان سے نکلا۔

”کیا ہے....؟“ جیمسن نے بے چینی سے پوچھا۔

”جسم.... انسانی جسم....!“ عمران نے جواب دیا۔

”ٹھنڈا ہے یا گرم....؟“ جیمسن نے سرگوشی کی۔

”گرم ہے.... اور ہے بھی کسی عورت کا....!“

”اف میرے خدا....!“

”شاید بے ہوش ہے۔!“

”سنا! ٹھاکر لے چلیں گے....؟“ جیمسن نے حیرت سے سوال کیا۔

”ہاں.... انسانی جسم کو یوں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔!“

عمران نے اُس بے ہوش جسم کو کاندھے پر ڈال لیا اور ٹٹول ٹٹول کر پھر سرنگ کے راستے ہی مار کی طرف واپسی ہوئی تھی۔

عمران غار میں واپس آیا تو ابھی تک وہ چاروں بے ہوش پڑے تھے۔ گویا غار میں کسی نے قدم نہیں رکھا تھا۔

عمران جیمسن اور بے ہوش جسم سمیت غار سے باہر آگیا.... اور بے ہوش جسم کو ایک بڑے سے پتھر کی آڑ میں رکھ دیا۔

مصیبت یہ تھی کہ چاندنی کھلی پڑی تھی۔ بے ہوش جسم کو کاندھے پر ڈال کر خیمے تک پہنچنا مشکل تھا اور اُس کے ہوش میں آنے تک کا انتظار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہی خدشہ تھا کہ نہ جانے کس وقت کچھ اور لوگ انہیں آکر گھیر لیں۔

تن بہ تقدیر دونوں نے یہی طے کیا کہ اسی حالت میں عورت کو کھڑا کر دیا جائے اور دونوں بازوؤں میں ہاتھ ڈال کر کسی نہ کسی طرح کھینچتے ہوئے خیمے تک لے جایا جائے۔ اگر کسی نے روک کر پوچھا تو بہانہ کر دیں گے کہ طبیعت خراب ہے۔

دونوں نے ایسا ہی کیا اور اس بے ہوش جسم کو خیمے تک لانے میں کامیاب ہو گئے۔



اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے خود کو ایک خیمے میں پایا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ خوف سے چہرہ پیکا پڑ گیا تھا۔

اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی تھی۔ چند لمحے بے حس و حرکت بیٹھی رہی پھر پھینچی

لی طرح ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔!“ لڑکی پر تشویش لہجے میں بولی۔
 ”چاہو تو ہمیں بھی اُس راز میں شامل کرلو۔۔۔۔!“ عمران نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”ٹھہرو پہلے ناشتہ کرلو۔۔۔۔ جب حواس بجا ہو جائیں تب بات کرنا۔ تم بھوک سے نڈھال ہو رہی ہو۔!“
 جوزف نے عمران کا اشارہ پا کر ناشتے کی ٹرے اٹھائی اور لڑکی کے سامنے رکھ دی لڑکی ناشتے پر دُش پڑی !

”تین دن سے کچھ نہیں کھایا۔۔۔۔!“ لڑکی بولی۔ ”جان بچانے کیلئے ایک غار میں گھس گئی تھی۔ لیکن وہ غار آگے چل کر سرنگ ثابت ہوا۔ اسلئے کمزوری اور بھوک سے نڈھال ہو کر وہیں گر پڑی۔ بد کی مجھ کو کچھ خبر نہیں۔ ہوش میں آئی تو خود کو یہاں پایا۔ کیا میں سرنگ کے باہر ملی تھی؟“
 ”تم ہمیں اُسی سرنگ میں ملی تھیں جس کا ذکر کر رہی ہو۔ ہم سروے کرنے کے لئے اُس غار میں جا گئے تھے۔ غار کے دوسرے دہانے تک جانے کا ارادہ تھا مگر تم نظر آ گئیں تو آگے بڑھنے کا راہ ملتوی کر کے تمہیں یہاں اٹھالائے۔!“ جیمسن نے وضاحت کی۔
 لڑکی ناشتہ ختم کر چکی تھی اور اس کا چہرہ کسی قدر تروتازہ نظر آ رہا تھا۔ وہ عمران کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”پروفیسر تم ایک ذمہ دار آدمی ہو۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنی کہانی تمہیں سناؤں تاکہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔!“

”ضرور۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔!“ عمران نے اس کی طرف پروفیسر اندہ انداز میں متوجہ ہو کر کہا۔
 ”میں ایک ایسے شخص کی بیوی ہوں جو سابق حکومت کے زمانے میں نیوی کا آفیسر رہ چکا ہے کچھ ذاتی اختلافات کی بناء پر اُس نے استعفیٰ دے دیا تھا اور اب وہ ایک بحری جہاز پر ریڈیو آپریٹر ہے۔!“
 ”کیا نام ہے تمہارے شوہر کا۔۔۔۔؟“ عمران نے سوال کیا۔

”بہرام کاؤس۔۔۔۔!“

عمران یہ نام سن کر چونک پڑا۔۔۔۔ اچانک اسے باسطر رشید کے مرتے وقت کے الفاظ یاد آ گئے اس نے ”کاؤس“ ہی کہا تھا۔

”آگے کیا ہوا۔۔۔۔؟“ عمران نے سوال کیا۔

”میرا نام زہرہ کاؤس ہے۔ ہم لوگ خاصی پُر سکون زندگی گزار رہے تھے۔ میرا اور کاؤس کا

بھتی نظروں سے اُن چاروں کو دیکھنے لگی۔ جن میں ایک سیاہ فام نیکرو بھی موجود تھا۔
 وہ چاروں اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
 لڑکی کے چہرے پر حد درجے نقاہت طاری تھی۔
 ”نت۔۔۔۔ نت۔۔۔۔ کون ہو تم لوگ۔۔۔۔!“ لڑکی خوف زدہ آواز میں بولی۔
 ”دوست۔۔۔۔!“ عمران نے مختصر سا جواب دیا۔

”دوست۔۔۔۔؟“ اس نے بے یقینی کے ساتھ دہرایا۔ ”کیا تم لوگ اس کے آدمی نہیں ہو؟“
 ”کس کے۔۔۔۔؟“ عمران نے سوال کیا۔

”جو مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔!“ لڑکی ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔
 ”ہم تو کسی کے بھی آدمی نہیں۔۔۔۔ بس یونہی ہیں۔ خواہ مخواہ ہیں۔!“ جیمسن بولے بغیر نہ رہ سکا۔
 عمران نے اُسے گھور کر دیکھا اور لڑکی سے بولا۔ ”میں علم طبقات الارض کا پروفیسر ہوں اور یہ میرے اسٹوڈنٹ ہیں۔ ہم لوگ یہاں کچھ ریسرچ کرنے آئے ہیں۔!“
 ”اوہ۔۔۔۔!“ لڑکی نے اطمینان کی طویل سانس لی۔

”ہم زمین کے طبق گنتے نکلے تھے کہ تم ہمیں ایک جگہ بے ہوش پڑی مل گئیں اور ہم تمہیں اٹھا کر یہاں لے آئے۔ باقی تم خود اپنے بارے میں بتاؤ کہ اتنی دور جا کر کیوں بے ہوش ہو گئی تھیں۔!“ جیمسن نے کہا۔

لڑکی کچھ دیر خاموش رہی۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔
 اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے مگر ہچکچا رہی ہے۔
 ”تم بے فکر ہو کر اپنی روداد سناؤ۔۔۔۔ اگر راز داری چاہتی ہو تو تمہاری ہر بات ہم تک محدود رہے گی۔!“ ظفر الملک بولا۔

”تو تمہارا تعلق اُن لوگوں سے نہیں ہے۔۔۔۔؟“ لڑکی نے سوال کیا۔

”ہم نے بتایا کہ ہم سب سے لا تعلق ہیں۔!“ عمران بولا۔ ”تمہیں کون مار ڈالنا چاہتا ہے؟ اگر مناسب سمجھو تو بتاؤ ممکن ہے ہم تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔!“

”وہ لوگ بے حد خطرناک ہیں۔ اتفاقہ طور پر میں ان کے ایک بہت بڑے راز سے واقف ہو گئی ہوں اور وہ اس بات سے آگاہ ہو گئے ہیں کہ میں اُن کا راز جان گئی ہوں۔ وہ مجھے شکاری کتوں

مشترکہ کاروبار تھا۔ مجھے اپنے باپ کی طرف سے خاصی دولت ملی تھی۔ میں نے کاؤس کے ساتھ مل کر خام مال کی تجارت شروع کر دی ہمارا مال زیادہ تر انگلستان جاتا تھا۔ بڑے مڑے میں زندگی گزار رہی تھی۔ میں ہر سفر میں کاؤس کے ساتھ ہوتی تھی اور ہم زیادہ تر بحری سفر کیا کرتے تھے۔ اچانک ایسا ہوا کہ کاؤس کی ملاقات کسی تقریب میں ایک ایسے سیاسی لیڈر سے ہوئی جو سابق حکومت کی ناک کا بال سمجھا جاتا تھا۔ مگر کمینی خصلت ہونے کی وجہ سے جلد ہی سابق حکومت کا معتبہ ٹھہرا۔ وہ اپنی حکومت کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار آنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ سازش کھل گئی۔ راتوں رات یہاں سے فرار ہو گیا۔ موجودہ حکومت کا بھی وفادار نہیں تھا۔ اس لئے ملک میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ کاؤس کے ساتھ اس کی پرانی یاد اللہ تھی رفتہ رفتہ دونوں کے تعلقات وسیع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اس کے کہنے پر کاؤس نے ایک بحری جہاز ”شرگل“ پر ریڈیو آپریٹر کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ وہ اسی سیاسی لیڈر کا اور اپنا خام مال یہاں پہنچاتا ہے اور دونوں تجارت میں حصے دار ہیں۔ ”لڑکی خاموش ہو کر عمران کو دیکھنے لگی۔

بحری جہاز ”شرگل“ کا نام سن کر عمران کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

”تمہارے لئے تو اس میں کوئی تشویش کی بات نہیں لگتی!“ عمران نے کہا۔

”وہی بتانے جارہی ہوں!“ لڑکی تھوک نکل کر بولی۔ ”کچھ دنوں سے مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ کاؤس سفر کے دوران مجھے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔ کھل کر کہتا بھی نہیں تھا لیکن ایک روز کہنے لگا کہ میں گھر پر ہی رہا کروں۔ بحری سفر اب وہ تنہا ہی کیا کرے گا۔ یہ بات اس نے اس وقت کہی تھی جب ہم انگلستان سے خام مال لاد کر لارہے تھے اور ابھی اپنے ملک سے دور کھلے پانیوں میں تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ بحری جہاز کو تو وہیں کھلے سمندر میں چھوڑ دیا جاتا تھا اور سامان اسٹیر کے ذریعے پورٹ تک لایا جاتا تھا۔ کیونکہ ابھی پورٹ زیر تعمیر ہے اس لئے بڑے بڑے جہازوں کو دور ہی کھڑا کیا جاتا ہے یہاں ایک مخصوص اسٹیر جھیل ”نیکراں“ میں کھڑا ہوتا ہے اسی پر خام مال بار کر کے لایا جاتا ہے۔ ایک رات میں جہاز پر اپنے کیمین میں سو رہی تھی کہ اچانک میرے آنکھ کھل گئی۔ کاؤس شاید انجن روم میں تھا۔ میرے دل میں نہ جانے کیا آئی کہ میں اٹھ کر کاؤس کی طرف چل دی۔ انجن روم کا دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ اندر کاؤس ایک آدمی کے ساتھ موجود تھا۔ اس شخص کی پشت دروازے کی جانب تھی لہذا میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکی۔ مگر اُن دونوں کی گفتگو بہ آسانی سن سکتی

نہی۔ مجھے اُن کی باتوں سے کچھ شبہ ہوا تو میں انجن روم میں جانے کی بجائے باہر ہی رک کر اُن کی گفتگو سننے لگی۔ یہ دھڑکا بھی تھا کہ کہیں کوئی آنے جائے اور مجھے انجن روم کے دروازے پر چوروں کی لرح کھڑاند دیکھ لے۔ اُن کی گفتگو سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔ مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ کاؤس بری موجودگی کیوں ناپسند کرنے لگا ہے اور خام مال کی شکل میں اندرونی طور پر کیا بزنس ہو رہا ہے۔ ”لڑکی ایک دم خاموش ہو گئی۔

”کیا! نس ہو رہا ہے....؟“ عمران نے سوال کیا۔

”کچھ بین الاقوامی قسم کے ٹھگ اسلحہ اسمگل کر کے یہاں بھیج رہے ہیں اور یہاں سے اسمگل کر کے کسی اور پس ماندہ ملک کو پہنچا رہے ہیں۔“

”اوہ....!“ عمران نے دیدے نہچائے۔

”جب مجھے پتہ چلا کہ میرا شوہر درحقیقت کیا کر رہا ہے۔ وہ ملک سے غداری کر رہا ہے۔ اس سیاسی لیڈر نے ہی اسے غداری کی راہ پر لگایا تھا۔“

”تم اس پر غداری کا الزام کیسے لگا رہی ہو....؟“ ظفر نے سوال کیا۔

”اسلحہ کی اسمگلنگ منہ دیکھنے کے لئے نہیں ہوتی۔ ملک میں مسلح بغاوت کی تیاریاں نہیں ہیں تو پھر کیا ہے.... بولو۔ کاؤس اس میں حصہ نہیں لے رہا....؟“ لڑکی نے متشکر ہو کر پوچھا۔

”ہاں.... یہ تو ہے....!“ عمران نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

”مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ سیاسی لیڈر بھی کسی کا ایجنٹ ہے۔ خود اپنے بل بوتے پر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ کوئی بڑی طاقت اپنے ایجنٹوں کو برسر اقتدار دیکھنا چاہتی ہے۔“ لڑکی نے سر ہلا کر کہا۔

”لڑکی.... تم تو میرے ذہن کی کھڑکیاں کھولے دے رہی ہو۔“ عمران نے پروفیسرانہ انداز میں حیرت سے کہا۔

لڑکی خاموش رہ کر اپنی انگلیوں اور ناخنوں کو دیکھتی رہی۔

”تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمہاری جان خطرے میں کیوں تھی....؟“ اچانک عمران نے سوال کیا۔

”پورٹ پر ایک بہت اچھا ہوٹل ہے۔ کاؤس جب تک یہاں رہتا ہے ہم لوگ ہوٹل ہی میں

وقت سننے اور سمجھنے سے روہ گئی تو زندگی بھر اس کا ملال رہے گا۔

”ہاں.... تو میں یہ کہہ رہا تھا اسٹوڈنٹس....!“ عمران بہ آواز بلند بولا۔ ”زمین کی فضا میں کئی طبقے ہیں جو ایک دوسرے سے اوپر واقع ہیں۔ ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا ہیں۔ گوان کی حدود صاف طور پر واضح نہیں۔ پھر بھی ہر ایک کی پہچان ممکن ہے۔ مثلاً ہوا کا ”کرہ اڈل“ لے لیجئے۔ یہ خط استوار پر تقریباً سولہ کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے اور قطب پر کوئی آٹھ کلو میٹر تک۔ فضا کی زیادہ تر

نشانیات یہیں موجود ہے۔ تمام موسمی مظاہرے اس منطقے میں رونما ہوتے ہیں۔ اسی طرح ”رداں کرہ“ ہے یہ تین سو پچاس کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں گیس کی جہیں موجود ہیں جو سورج کی شعاعوں سے رواں ہو گئی ہیں۔ یعنی ان میں مثبت اور منفی برقی ذرات آزاد شکل میں رواں ہیں۔ چونکہ یہ ادنیٰ (لو فریکوئنسی) ریڈیائی لہروں کو منعکس کر سکتے ہیں اس لئے اس کے ذریعے ریڈیائی نشریات دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچائی جاسکتی ہیں۔ خواہ ہوائی جہاز ہوں یا پانی کے جہاز ریڈیائی نشریات کا یہی اصول کار فرما رہے گا۔ اس کے علاوہ....!“

اسی وقت جیمسن نے ایک دم اپنا دہانہ ہاتھ اٹھا دیا تھا۔

”اسٹوڈنٹ.... کچھ کہنا چاہتے ہو....؟“ عمران نے خالص پروفیسرانہ زبان استعمال کرتے ہوئے پوچھا۔

”یس سر....!“ جیمسن نے ہاتھ گراتے ہوئے کہا۔

”کہو....!“

”سر.... ہم زمین کی فضا کے بارے میں نہیں بلکہ زمین کے طبقات کے بارے میں ریسرچ کرنے آئے ہیں شاید آپ بھول گئے ہیں۔“ جیمسن نے شوخ لہجے میں کہا۔

”آں.... ہاں.... اچھا.... اچھا....!“ عمران نے بھول جانے کی شاندار اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر اسٹوڈنٹ! زمین کے طبقات کے بارے میں ریسرچ کرنا دراصل حماقت ہے۔!“

”وہ کیسے سر....؟“ اس بار ظفر الملک بول پڑا تھا۔

”زمین میں کیا رکھا ہے۔ جتنا کھودو ہڈیاں ہی ہڈیاں نکلی چلی آئیں گی۔ اپنے آباء اجداد کی ہڈیاں، اُن کے آباء اجداد کی ہڈیاں۔ پھر اُن کے آباء اجداد پھر اُن کے آباء اجداد۔!“

”بس.... بس.... سرائی ہڈیوں کا کیا کریں گے۔“ جیمسن عمران کی عادت سے گھبرا کر بولا۔

آفت کا شکار نہ ہو جاؤ۔!“ زہرہ نے جوزف کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بس بس.... تم فکر نہ کرو....!“ عمران بولا۔ ”چاہو تو اور آرام کر سکتی ہو شام کو ہم ”طبقات الارض“ کی تحقیق کے سلسلے میں ساحلی ہوٹل تک جائیں گے۔ کیا نام ہے اس ہوٹل کا....؟“

”ہوٹل برائنٹ اشار....!“ لڑکی آہستہ سے بولی اور گہری سوچ میں ڈوب گئی۔



عمران اُن سب کو خیمے میں چھوڑ کر اکیلا ہی نکل کھڑا ہوا تھا۔ جوزف نے احتجاج بھی کیا تھا کہ وہ اُسے ساتھ رکھے مگر عمران نے اس کو خیمے میں رہ کر زہرہ کاؤس کی حفاظت کرنے کی ہدایت کی تھی۔ شام تک عمران کی واپسی ہوئی تھی۔ دن بھر کیا کرتا رہا اس کی کسی کو خبر نہیں تھی۔

عمران نے زہرہ کاؤس کا میک اپ اس طرح کیا تھا کہ خود بھی وہ اپنے آپ کو نہیں پہچان سکی تھی اور عمران کے ماہرانہ میک اپ کی دل کھول کر تعریف کرتی رہی تھی۔ اُسے ایک اسپرن بھی پہنا دیا گیا تھا تاکہ طالبہ لگ سکے۔ عمران ایک سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز بھی کہیں سے حاصل کر کے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ ساحل تک جانے کے لئے جیب استعمال کی گئی تھی۔

وہ بڑی پرفضا جگہ تھی۔ دور دور تک تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹے بڑے ہٹس بنے ہوئے تھے۔ جیب خود عمران ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ جیب میں بیٹھے سب افراد یہی سمجھ رہے تھے کہ عمران کا اگلا ٹارگٹ ہوٹل ”برائنٹ اشار“ ہی ہوگا۔ مگر جیب ہوٹل کی حدود سے نکلتی ہوئی ادھر ہی بڑھ رہی تھی جدھر بہت سے ہٹس بنے ہوئے تھے۔

عمران نے ایک جگہ جیب روک دی اور سب کو جیب سے اتر جانے کو کہا۔

”آگے پیدل مارچ کرنا ہے۔!“ عمران بولا۔

سب پیدل چل پڑے۔ عمران آگے آگے چل رہا تھا اور چلنے کا انداز بھی پروفیسرانہ ہی تھا۔ پیچھے چلنے والوں میں زہرہ کاؤس، ظفر الملک اور جیمسن ہاتھوں میں فائل پکڑے چل رہے تھے۔ جوزف سب سے پیچھے تھا۔

عمران ایک ایسے ہٹ کے سامنے جا کر رک گیا جو ساحل سے تو قریب تھا لیکن باقی تمام ہٹس سے دور تھا۔ وہ اس انداز میں کھڑا تھا جیسے اب اُن کو ”طبقات الارض“ کے بارے میں کوئی اہم بات بتائے گا اور وہ چاروں اس کے سامنے اس طرح مودب کھڑے تھے جیسے اگر وہ اہم بات اس

چنچ بے اختیار تھی۔ قیدی چونک کر زہرہ کاؤس کو دیکھنے لگا تھا۔ یہ بہرام کاؤس تھا۔
عمران کے شاگردوں کو یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ یہ عمران کا کارنامہ ہی ہو سکتا ہے۔ دن
بھر غائب رہ کر وہ یہی سب کچھ کرتا رہا تھا۔

بہرام کاؤس چوڑے چکے شانوں اور ایک مضبوط اعصاب والا شخص دکھائی دیتا تھا۔
وہ عمران کو دیکھ کر غرایا تھا۔
”کون ہو تم لوگ....؟“

”آہستہ بولو....!“ عمران بولا۔ ”یہ سب میرے طالب علم ہیں اور مجھے تم پہلے بھی دیکھ چکے
ہو۔ طبقات المزاج کا ماہر ہوں میرے گھونے اور تھپڑ تمہیں یاد ہی ہوں گے۔!“
”تم مجھے روک کر اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔!“ وہ غرا کر بولا۔

”اسٹیپر تمہاری بیوی بھی تو تھی وہ کہاں گئی....؟“ اچانک عمران نے سوال کیا۔
”مت لوٹا اُس بے وفا کا!“ کاؤس زمین پر تھوکتے ہوئے بولا۔ ”نہ جانے کس کے ساتھ بھاگ گئی۔!“
اچانک زہرہ کاؤس آگے بڑھی اور اس نے ایک زنانے دار تھپڑ کاؤس کے گال پر جڑ دیا۔ یہ
سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ کوئی بھی مداخلت نہ کر سکا تھا۔

”اوہ.... کتیا.... کون ہے تو....؟“ کاؤس غصے سے دیوانہ ہو کر بولا۔
”بے غیرت.... غدار.... میں تجھے جان سے مار ڈالوں گی۔!“ غصے سے بلبلا کر بولی۔
”اوہ.... تم....!“ کاؤس کی آنکھوں میں حیرت ابھر آئی آواز تو زہرہ کی سی تھی مگر حلیہ اور
شکل انجینی تھی۔

کاؤس نے گھبرا کر باری باری اُن سب کے چہروں کو دیکھا اُس کی سمجھ میں یہ معمہ ہی نہیں آیا تھا۔
”ہاں.... میں زہرہ ہوں.... ان شریف آدمیوں نے میری جان بچائی تھی اور اس وقت
میک اپ میں ہوں کیونکہ تمہارے گروہ کے ذلیل آدمی میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔
پچانتے ہی گولی ماریں گے۔“

”ہم.... مگر.... مگر مجھے تو بتایا گیا تھا کہ تم نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے۔ تم کسی اور کے
ساتھ فرار ہو گئی ہو۔!“ کاؤس نے اُس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
”اور تم نے یقین کر لیا۔!“ زہرہ غضب ناک ہو کر بولی۔

”یا پھر.... کہیں کہیں.... زیورات مل جائیں گے۔ جن کو بھوتے بھوتے سارے آباؤ اجداد
کو زمین کا پیوند ہوتا پڑا....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”سر.... زمین کی فضا کے بارے میں بھی جان کر کیا کریں گے اس میں بھی کیا رکھا ہے۔!“
ظفر الملک نے کہا۔
”فضا کے بارے میں جاننا زیادہ ضروری ہے۔ فضائی حملہ ارضی حملے سے زیادہ مہلک ہوتا
ہے۔!“ عمران نے اُس کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی فائدہ نہیں....!“ ظفر الملک بولا۔ ”ابھی تک ہمارے سائنسدان یہ تک معلوم نہ کر سکے
کہ مرنے کے بعد ”روح“ جب آسمان کی طرف پرواز کرتی ہے تو عموماً جاتی ہے یا ترچھی؟ اور وہ
میں جو خلائی رکاوٹیں ہیں اُن کو کس طرح پھلانگتی ہے یا پھر وہ خلا میں ہی رہ جاتی ہے۔!“
”احتمق ہو....!“ عمران بگڑ کر بولا۔ ”بھلا اس وقت ”روح“ کا کیا ذکر؟“

”خیال آگیا تھا سر....! آباؤ اجداد کی ہڈیوں کے ساتھ اُن کی روحوں کا بھی تو علم ہونا
چاہئے۔!“ ظفر الملک نے کہا۔

”تو پھر زمین کے طبق اور زمین کی فضا دونوں کو گولی مارو۔ اس ہٹ میں داخل ہو جاؤ اور
فی الحال یہ ریسرچ کرو کہ اس کے اندر کیا عجائبات ہیں۔!“ عمران نے ہٹ کے دروازے کی
طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اس تمام عرصے میں جوزف اور زہرہ کاؤس خاموش ہی رہے تھے۔ جوزف تو بلاوجہ دخل
اندازی کرتا ہی نہیں تھا۔ زہرہ کاؤس کو عمران نے بولنے سے منع کر دیا تھا کیونکہ وہ لہجہ بدلنے پر
قادر نہیں تھی۔

ہٹ کے دروازے پر موٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ عمران نے ایپرن کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سنجی
نکالی اور تالا کھول کر ہٹ میں داخل ہو گیا۔

وہ سب بھی اُس کے پیچھے ہی ہٹ میں داخل ہوئے تھے۔ پھر سب ہی حیرت سے اُس آدمی کو
دیکھنے لگے جو ریشمی رسیوں سے بندھا ایک کرسی پر بیٹھا تھا اور اُس کے منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا اُس
کے آگے ایک بڑی سی میز چھٹی ہوئی تھی۔ جس پر ایک نقشہ پھیلا ہوا تھا۔

جونہی زہرہ کاؤس کی نظر اُس قیدی پر پڑی اُس کی بے اختیار چنچ نکل گئی تھی۔

اب یہ سب لوگ دوستانہ ماحول میں بات چیت کر رہے تھے۔
 ”تمہیں عملی طور پر ہماری مدد کرنا ہوگی۔“ عمران کاؤس سے بولا۔
 ”میں تیار ہوں.....!“ کاؤس سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ اسلحہ کا ذخیرہ کہاں ہے.....؟“ عمران نے سوال کیا۔
 ”ہاں.....!“ کاؤس کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”مگر تم دریافت کر کے کیا کرو گے۔!“
 ”اُسے ضائع کرنا بے حد ضروری ہے۔!“ عمران نے کہا۔
 ”یہ تمہارے بس کا کام نہیں.....!“ کاؤس بولا۔

”یہ تم مجھ پر چھوڑ دو..... تم صرف وہاں تک رہنمائی کرو گے۔!“ عمران بولا۔
 ”بڑے کمینے لوگ ہیں۔ بلکہ کمینوں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اہلیس کے بیٹے کہہ لو۔ جب چاہیں تختہ الٹ دیں۔ بین الاقوامی قسم کے ٹھگ ہیں۔ میں بھی درپردہ اُن کی کھوج میں رہا ہوں۔ اصل برنس ان کا ایک ملک کے رازچرا کر دوسرے ملک کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے۔ یہی نہیں پس ماندہ ممالک میں افراتفری پھیلانے کیلئے اسلحہ اسمگلنگ بھی کرتے ہیں۔!“ کاؤس جوش کے ساتھ کہے جا رہا تھا۔ ”تم اُن سے نہیں بچ سکتے۔ کمین سے کمین ہی پناہ کرتا ہے اور میں خود بھی اُن سے کم کمین نہیں ہوں۔ میں ملک کو تباہی تک پہنچانا نہیں چاہتا۔!“ کاؤس غراتے ہوئے بولا۔

”خدا کی پناہ..... بھلا اُن کا سر غصہ کون ہے.....؟“ عمران نے اچانک سوال کیا۔
 ”یہ معلوم کر کے کیا کرو گے.....؟“ کاؤس اُس کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔
 ”ارے گرفتار کرادیں گے اُسے.....!“ عمران نے احمقانہ انداز میں جواب دیا۔

کاؤس نے ہلکتا ہوا قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”مکاری سے مجھے دو چار گھونے لگا کر اپنے آپ کو سورا بھٹنے لگے ہو۔!“

”بہادری دکھانے کی یا ہاتھ پائی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حکمت عملی سے کام لیں تو اُن کا بیڑہ غرق ہو جائے گا۔!“ عمران ہاتھ نچا کر بولا۔

”بھلا وہ کیسے.....؟“ کاؤس نے پوچھا۔

”پہلے اسلحہ کا ذخیرہ اڑادیں گے اس کے بعد کچھ اور سوچیں گے۔!“

”ہوں.....!“ کاؤس سوچ میں پڑ گیا۔ وہ کبھی کبھی ننکھیں سے زہرہ کاؤس کی طرف بھی دیکھ

”مجھے تمام صورت حال سمجھا دو..... میری عقل چکر رہی ہے۔!“ کاؤس بیچارگی سے بولا۔
 پھر آدھا گھنٹہ اُس کو تمام حالات سمجھانے میں صرف ہوا تھا اس دوران میں عمران اور اُس کے ساتھی بالکل خاموش رہے تھے۔ صرف زہرہ کاؤس ہی بولتی رہی تھی۔

زہرہ کاؤس نے شروع سے آخر تک اپنی کہانی سنائی تھی اور کاؤس تمام کہانی سن کر عمران سے بولا۔
 ”میرے ہاتھ کھول دو..... میں فرار نہیں ہوں گا۔ میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ بے وقوف بنا کر اپنا کام نکلنے والوں کو میں ہرگز معاف نہیں کروں گا۔!“

عمران نے جوزف کو اشارہ کیا۔ جوزف نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ کھول دیئے۔ کاؤس نے میز پر سے سگریٹ کی ڈبیہ اٹھا کر ایک سگریٹ نکالا۔

زہرہ کاؤس نے میز پر سے لائٹر اٹھا کر جلایا اور اس کا شعلہ کاؤس کے منہ میں دبے ہوئے سگریٹ کے قریب کر دیا۔

کاؤس نے ایک طویل کش لیا پھر زہرہ سے بولا۔ ”یہ بالکل غلط ہے کہ میں غدار ہوں۔!“
 ”اگر تم ثابت کر سکتے تو میں تمہیں معاف کر دوں گی ورنہ اپنے ہاتھ سے شوٹ کر دوں گی۔!“
 ”یہ بات وقت ثابت کرے گا کہ میں غدار نہیں ہوں۔ میں تو صرف پچھلی حکومت سے اور موجودہ حکومت سے بعض معاملات میں اختلاف رکھتا تھا اپنے اُس حق کے تحت جو مجھے ملکی دستور کے توسط سے ملا ہے۔ وطن سے غداری کا تصور تک نہیں کر سکتا خوب جانتا ہوں کہ وطن سے غداری کرنے والا پہلے خود ہی جہنم داخل ہوتا ہے۔ سب بڑی بڑی طاقتیں ہمیں بے وقوف بنا کر اپنا کام نکال رہی ہیں۔ میں اب انہیں بتاؤں گا کہ ہم بے وقوف نہیں ہیں۔!“ کاؤس جوش میں بولے جا رہا تھا۔
 عجیب مزاج کا آدمی تھا..... کچھ دیر پشتر ملک کے دشمنوں کا دوست تھا اور اب انہیں لوگوں کا دشمن بن گیا تھا اور یہ انقلاب صرف ایک عورت کے تھپڑ سے رونما ہوا تھا۔

عمران شاید اس کی فطرت کو سمجھ گیا تھا اسی لئے اُس نے صرف زہرہ کو بولنے کا موقع دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے حادثے انہیں اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے مگر ایک عورت اُن کو بنیادوں سے اکھاڑ دیتی ہے۔ کاؤس کا شمار انہیں لوگوں میں ہوتا تھا۔



زہرہ کاؤس کی درخواست پر عمران نے کاؤس کو آزاد کر دیا تھا۔

”تمہارا اسنیر کہاں کھڑا کیا جاتا ہے....!“ عمران نے اچانک ہی پوچھا۔

کاؤس میز پر پھیلے ہوئے نقشے کی طرف متوجہ ہو کر ایک جگہ انگلی رکھتا ہوا بولا۔ ”یہ جھیل بیکراں“ ہے اسکے مشرقی کنارے پر پورٹ غلیل کی گودی ہے۔ یہاں بظاہر ہمارا اسنیر پورے مشرقی کنارے پر مابی گیری کرتا ہے۔ بحری جہاز ”شرگل“ سے یہی اسنیر ”اسلمہ“ بار کر کے ”جھیل بیکراں“ میں داخل ہوتا ہے اور ساحل سے کچھ فاصلے پر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ پھر مابی گیریوں کی کچھ لائنوں پر اسلمہ اسنیر سے اتار کر بار کر دیا جاتا ہے۔ اسکے بعد ٹرکوں پر لاد کر ذخیرے تک پہنچایا جاتا ہے۔“

عمران بغور نقشہ دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے نقشہ تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

کاؤس نے اسلمہ کے ذخیرے کا مقام نقشے کے ذریعے عمران کو پوری طرح سمجھا دیا تھا۔

پھر عمران کاؤس کو وہیں چھوڑ کر اپنے شاگردوں کو لے کر جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس ہو گیا تھا۔ زہرہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ اُس نے ہر حال میں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت زیادہ چاہتے تھے۔ کاؤس حسرت سے اُسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔ زہرہ کاؤس بھی ملول تھی۔ لیکن اُس نے اپنی خوشی سے اپنے آپ کو یرغمال بنایا تھا۔ شائد وہ بھی کاؤس کی ملکون مزاجی سے بخوبی واقف تھی۔



سب مزدوروں کے لباس میں تھے۔ زہرہ کو بھی ایسا ہی لباس پہنایا گیا تھا.... البتہ چہرہ میک اپ سے بے نیاز نہیں تھا۔

عمران نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ اپنی چال میں کچھ تبدیلی پیدا کرے مگر اُس سے بن نہیں پڑا تھا۔ سبھوں نے کدال اور دوسرے اوزاروں کے تھیلے اٹھائے تھے۔

بڑی سرسبز وادی تھی۔ وادی کے دو طرف سبز گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ دور سے یوں مظلوم ہوتا تھا جیسے قدرت نے محفل بچھا دی ہو۔

اسی وادی میں بے شمار آدمی کام کرتے ہوئے دکھائی دیے تھے۔ چٹانیں توڑی جا رہی تھیں اور پتھروں کے مختلف ساز کے ٹکڑے کاٹے جا رہے تھے اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا تھا۔

کئی عورتیں بھی ہتھوڑوں سے پتھر توڑتی نظر آئیں۔ انہیں میں عمران نے زہرہ کاؤس کو بھی

لےتا تھا۔ زہرہ کاؤس اس کی ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

”ممکن تو ہے.... مگر....!“ کاؤس ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔

”اگر.... مگر.... کچھ نہیں کاؤس....!“ زہرہ اچانک بولی۔ ”تمہیں وہی کرنا پڑے گا جو پردیفر کہہ رہے ہیں اور میں ان لوگوں کے درمیان بطور یرغمال رہوں گی۔ تم اس فتنے کو ختم کر دینے میں ایک اچھے حب الوطن کا پارٹ ادا کرو۔ جن ملکوں کے لوگوں نے بڑی طاقتوں سے ملکر اپنے مفاد میں ملک سے غداریاں کی ہیں اُن کا انجام ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔“

کاؤس سر ڈالے کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ عمران اُس کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ جذباتی اور انتہا پسند آدمی پر بھروسہ کرنا حماقت ہی ہوتی ہے۔ نہ جانے کب پھر دشمن کی طرف پلٹ جائے۔ ہٹ میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

”ٹھیک ہے....!“ کاؤس فیصلہ کن لہجے میں زہرہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں بتاؤں گا کہ وہ ذخیرہ کہاں ہے۔ مگر اس کو تباہ کرنا جان جو کھوں کا کام ہے۔ تم سب خود بھی ضائع ہو سکتے ہو۔“

”پردہ نہیں....!“ زہرہ لہک کر بولی۔ ”کتے کی موت مرنے سے بہتر ہے کہ ایسی موت مر جائیں جو ملک کو تباہی سے بچالے۔“

”پھر بھی بات ختم نہیں ہوگی۔“ اچانک کاؤس بولا۔

”میں جانتا ہوں۔“ عمران نے کہا۔ ”تم صرف اُس جگہ کی نشاندہی کر دو جہاں ذخیرہ موجود ہے۔ اُس کی تباہی کے بعد دوسرا مرحلہ دیکھیں گے۔“

”یہی بہتر ہوگا۔ لانچ پر میری موجودگی انتہائی ضروری ہے۔ پرسوں رات اسلمہ کہ آخری کھپے آنے والی ہے۔ اس کے بعد کیا ہوگا کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ بار بار مجھے پیغام وصول کرنا ہوگا۔ میری غیر موجودگی انہیں شک میں ڈال دے گی اور پھر ہم انہیں کبھی نہ پاسکیں گے۔“ کاؤس سنجیدگی سے بولا۔

”کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا ہے جو اس سارے ڈرامے کا ہدایت کار ہے۔“ عمران نے سوال کیا۔

”نہیں.... مجھے لانچ پر صرف پیغامات ملتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم ہے کہ بہت سے ملکوں کے مفرور سیاستدان اُس کے زیر تربیت اور زیر سرپرستی ہیں۔ ہمارے ملک کے ایک بڑے سیاستدان کے سر پر بھی اسی نے ہاتھ رکھا ہے۔ شائد اس نے ہمارے سیاستدان کو کچھ زیادہ ہی خواب دکھا دیے ہیں۔“ کاؤس نے سگریٹ کی ڈبیہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

شامل کر دیا تھا۔

جنس، ظفر الملک اور عمران مزدوروں میں شامل ہو گئے تھے۔ جوزف کو خیمے کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ اپنے تن و توش اور رنگت کی وجہ سے مزدوروں میں توجہ کا مرکز بن جاتا اور یہی عمران نہیں چاہتا تھا۔ وقت کم تھا اس لئے وہ کسی اور چکر میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اسی طرح شام ہو گئی اور کام روک دیا گیا۔ سارا دن پتھر ڈھوتے ڈھوتے جنس اور ظفر الملک کا حلیہ خراب ہو گیا تھا۔ البتہ عمران کے چہرے پر تھکن کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

سب مزدور اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے تھے۔ کچھ دور تک عمران اور اُس کے ساتھیوں نے بھی مزدوروں کا ساتھ دیا تھا پھر وہ ایک جگہ پانی کا چھوٹا سا چشمہ دیکھ کر رک گئے۔ زہرہ کو اُس نے عورتوں سے پہلے ہی الگ کر کے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ سورج غروب ہونے لگا تھا اور رات کی آمد آمد تھی۔

عمران اپنے ساتھیوں سمیت سبز پہاڑی کے ایک غار میں داخل ہو گیا۔ اسی غار میں وہ سب رات ہونے کا انتظار کرتے رہے۔

رات ابر آلود تھی۔ گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ قریباً آدھی رات گزر جانے کے بعد عمران اپنے ساتھیوں سمیت کسی نامعلوم منزل کی طرف چل پڑا۔ راہ میں کبھی کوئی چڑھائی آجاتی تھی اور کبھی وہ سنبھل سنبھل کر نشیب میں اترنے لگتے تھے۔ عمران کے اندازے کے مطابق انہوں نے خاصی مسافت طے کر لی تھی۔ پھر وہ ایک غار کے دہانے کے پاس پہنچ کر رک گئے۔

غار کے دہانے پر دو آدمی اسٹین گن لئے پہرہ دے رہے تھے۔ عمران ان کی نظروں سے چٹا چٹا ایسی جگہ پہنچ گیا کہ نہ صرف اُن کی گفتگو سن سکے بلکہ ضرورت پڑنے پر اُن پر چھلانگ بھی لگا سکے۔

ان میں سے ایک بولا۔ ”چلو.... اب ہم بھی لمبی تان کر سو جائیں!“

”نہیں.... ہمیں نگرانی کرنی چاہئے۔ اگر کوئی ہماری کارکردگی دیکھنے ادھر آگیا تو خیر نہیں!“ دوسری آواز آئی۔

”میں تو سوتا ہوں....!“ پہلا انگڑائی لے کر بولا۔ ”جسم ٹوٹ رہا ہے۔ تم جاگتے رہو!“

”ٹھیک ہے.... میں جاگتا رہوں گا تم سو جاؤ....!“

پہلا آدمی شاید وہیں چٹان پر لیٹ گیا۔

دوسرے آدمی نے موم بتی جلائی اور جیب سے ایک پاکٹ بک نکال کر پڑھنے لگا۔ عمران نے موم بتی کی ٹٹماتی ہوئی روشنی میں ان کی ٹامی گتیں قریب ہی رکھی دیکھ لی تھیں۔ وہ کتاب پڑھتا جا رہا تھا اور ایک نوٹ بک میں کچھ لکھتا بھی جاتا پھر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہیروں کا جائزہ لینے لگتا تھا۔

عمران کا اندازہ تھا کہ وہ پامسٹری کی کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔

کتاب پڑھنے والے کا رخ عمران کی طرف نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد پہلے آدمی کے خراٹوں کا آواز آنے لگی۔ کتاب پڑھنے والا اپنے ہاتھ کی لکیروں میں اتنا سنبھک تھا گویا دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا تھا۔

عمران نے ایک یار پلٹ کر اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ وہ بہ آہستگی زمین پر لیٹ کر ریٹکتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور یونہی بے آواز ریٹکتا ہوا اُس آدمی کے سر پر پہنچ گیا جو پڑا سو رہا تھا۔ عمران نے اُسکی ٹامی گن اٹھائی اور اسکا دستہ زور سے سوتے ہوئے آدمی کے سر پر رسید کر دیا۔ پھر جتنی دیر میں ہاتھ کی لکیروں سے قسمت کا حال جاننے والا سنبھل کر معاملے کی نوعیت کو سمجھتا عمران ٹامی گن کا رخ اُس کی طرف کر چکا تھا۔

”ہاتھ اٹھاؤ.... گن اٹھانے کی کوشش کی تو ڈھیر کر دوں گا!“ عمران آہستہ سے بولا۔

اُس نے گھبرا کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا جس کے خراٹے اب بند ہو چکے تھے۔

”وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا.... بے ہوش پڑا ہے۔“ عمران نے سفاک لہجے میں کہا۔ اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ سر سے بلند کر لئے۔ جنس جھپٹ کر اوٹ سے نکل آیا اور اس کی ٹامی گن اٹھالی۔

”اس کے ہاتھ پشت سے باندھ دو....!“

ظفر اور زہرہ بھی اپنی کمین گاہ سے نکل آئے تھے۔

ظفر نے اپنے کاندھے پر پڑے تھیلے سے ریٹیم کی ڈوری نکالی اور اُس کے ہاتھ مضبوطی سے اس کی پشت سے باندھ دیئے۔

عمران نے نارنج کی روشنی ادھر ڈالی۔ ایک پتلی سی دراڑ تھی۔ عمران نے ظفر کو نامی گن دیتے ہوئے کہا۔ ”تم یہیں ٹھہرو.... میں اندر جا کر دیکھتا ہوں۔!“ اس نے جنسن کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور دراڑ کی طرف بڑھ گیا۔

دراڑ بس اتنی کشادہ تھی کہ اس میں سے ایک وقت میں صرف ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔ قریباً پچاس گز چلنے کے بعد وہ پہلے سے کہیں کشادہ غار میں داخل ہو گئے اور پھر غار میں داخل ہوتے۔ وہ حیرت سے اچھل پڑے۔ کیونکہ وہاں اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ رائفلوں، اسٹین گنوں، ہلکی مشین گنوں اور دستی بموں کے ذخیرے ہی ذخیرہ نظر آرہے تھے۔ بارود کی بیٹیوں اور ڈائنامائٹ کے بندلوں کے قریب ہی کچھ ہیوی ڈیوٹی ڈرائی بیٹریاں بھی رکھی تھیں۔ بجلی کے تاروں کے بڑے بڑے لمبے بھی موجود تھے۔

وہ دونوں کچھ دیر تک نارنج کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر عمران نے جنسن کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ غار کے اندر بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی ایسا انتظام غار کے اندر کیا گیا ہو کہ اُن کی آواز کہیں اور بھی سنی جاسکتی ہو۔

اتنے بڑے ذخیرے کی نگرانی صرف دو مجبور سے آدمیوں پر تو نہ چھوڑی گئی ہوگی۔ لیکن عمران کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ اس مسئلے پر الجھتا وہ پھر وہیں واپس آگئے جہاں قیدی، ظفر اور زہرہ کو چھوڑ گئے تھے۔ بے ہوش آدمی بدستور بے ہوش پڑا تھا۔ عمران نے ظفر سے کہا۔ ”فی الحال ہمیں یہ بھول جانا چاہئے کہ یہاں سے زندہ بھی بچ کر نکل سکتے ہیں۔!“

”جیسی آپ کی مرضی.... آپ ساتھ ہوں تو مجھے زندگی کی پرواہ نہیں ہوتی۔!“

”جتنی جلدی ہو سکے اسلحہ کا ذخیرہ تباہ کر دینا چاہئے۔ ایک ایک چیز پر ہماری فیکٹریوں کے ٹریڈ مارک اور کچھ دوسرے مخصوص نشانات موجود ہیں۔ جانتے ہو یہ یہاں کیوں ذخیرہ کیا گیا ہے؟“

”آپ ہی بتائیے....!“ ظفر الملک پُر تشویش انداز میں بولا۔

”یہ تمہارا ہمارے پڑوسی ملک کو اسمگل کئے جائیں گے۔!“

”خدا کی پناہ....!“ ظفر حیرت سے بولا۔

”آؤ.... کام شروع کر دیں.... ذخیرہ تباہ کرنے کے لئے ہر چیز غار میں موجود ہے۔!“

اور پھر عمران کی ہدایت پر وہ اُسے دھکیلتا ہوا غار کے اندر لے گیا۔ اتنے میں عمران دوسرے بے ہوش آدمی کو بھی کھینچتا ہوا غار کے اندر لے آیا تھا۔

موم بتی کی روشنی میں عمران نے غار کا بغور جائزہ لیا۔ غار اندر سے کافی کشادہ تھا۔

پھر اچانک عمران نے قیدی کے چہرے کے قریب موم بتی لے جاتے ہوئے کہا۔ ”وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے....؟“

”لگ.... کون.... سی جگہ....؟“ قیدی نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

”جہاں اسلحہ اکٹھا کیا گیا ہے۔!“

”مم.... میں.... نہیں جانتا....!“ قیدی نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”پھر یہاں کس کی نگرانی کر رہے تھے....؟“ عمران نے پوچھا۔

”اُن پہاڑیوں کے پیچھے سے پڑوسی ملک کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرف رہ کر ہم اپنی سرحد کی حفاظت کر رہے تھے۔!“

”صرف دو آدمی....!“ عمران حیرت سے بولا۔ ”اور وہ بھی ملک کی سرحد کی حفاظت۔!“

”بہت سے اور بھی ہیں۔!“ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”تم جھوٹے ہو.... اگر دو منٹ کے اندر اندر تم نے اُس جگہ کی نشاندہی نہ کی تو تم دونوں کو مار ڈالوں گا۔ وہ جگہ تو میں کسی نہ کسی طرح خود ہی معلوم کر لوں گا۔ تمہاری جان مفت میں جائے گی۔!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم بھی.... نہیں بچ سکو گے۔!“ قیدی گھبراہٹ کے ساتھ بولا۔

”ہم بچنے کے لئے آئے بھی نہیں ہیں۔!“

عمران نے موم بتی ایک جگہ رکھ دی اور ان کے تھیلے ٹٹولنے لگا۔ دو ٹارچیں تھیں اور کچھ غذا کے ڈبے وغیرہ تھے۔ ٹارچیں نکال کر اس نے ظفر کو دے دیں اور پھر نامی گن کا دستہ قیدی کی کمر میں مارا ہوا بولا۔ ”جلدی جواب دو.... ورنہ میں گولی مار دوں گا۔ یہ محض دھمکی نہیں ہے۔!“

عمران کے لہجے میں اس قدر سفاکی تھی کہ اس کے ساتھی بھی لرز کر رہ گئے۔

قیدی کے منہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگی تھیں۔ ”اُدھر“ وہ خوف زدہ سی آواز میں ایک جانب

باتھ اٹھا کر کہا۔

تاریکی زیادہ تھی اور نارنج روشن کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔ عمران بے ہوش آدمی کا منہ پر لاد کر لایا اور پھر اُسے اس کے ساتھی کے برابر ہی لٹا دیا تھا۔

عمران نے اُن سب کو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے کی ہدایت کی۔

قیدی کے ہاتھ چونکہ بندھے ہوئے تھے اس لئے عمران نے تھیلے میں سے ایک رومال نکال کر پھاڑا اور اُس کے ٹکڑے قیدی کے کانوں میں ٹھونس دیئے اُن سب نے اپنے اپنے رومال بھی دانتوں میں دبائے تھے۔

پھر عمران نے اُن کو ہدایت کی کہ تقریباً دس گز پیچھے ہٹ کر اوندھے لیٹ جائیں سب نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر اچانک وہ قیامت خیز دھماکہ ہوا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پہاڑ اور زمین دونوں مل کر بل رہے ہوں۔ بڑے بڑے پتھروں کے ٹکڑے لڑھکنے کی آواز آرہی تھی۔ آج ایسی تھی جیسے جہنم کی کھڑکیاں کھول دی گئی ہوں۔ ہلکے بھاری دھماکے ہوتے ہی چلے جا رہے تھے۔ انہیں گرم ہوا کے بھیکے محسوس ہوئے اور پھر کثیف دھوئیں کا زبردست ریلہ آیا۔ وہ بُدی طرح کھانسنے لگے۔

”کوئی محفوظ جگہ تلاش کرو.... ورنہ جھلس کر رہ جائیں گے۔“ عمران پیٹ کے بل آگے

سرکتا ہوا بولا۔

”مم.... میں.... جگہ بتاؤں گا....!“ قیدی جلدی سے بولا۔

”ہاں.... جلدی کرو.... ایسا نہ ہو کہ کوئی ہماری تلاش میں نکل کھڑا ہو۔“ عمران نے ہلکے ہلکے کھانسنے ہوئے کہا۔

”بستی سے الگ ایک جگہ ہے۔ غاروں میں۔!“ قیدی نے انکشاف کیا۔

”کیا تم ہمیں وہاں تک پہنچا سکتے ہو....؟“ عمران نے کہا۔ ”اگر ہم سب بچ گئے تو یقین کرو کہ تمہیں سرکاری گواہ بنا کر معافی دلوا دوں گا۔!“

”میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو.... اور تمہارے اختیارات کیا ہیں۔ البتہ میں تمہیں وہاں ضرور لے چلوں گا۔!“

اچانک انہوں نے بیلی کو پڑکی آواز سنی۔

”چپ چاپ لیٹے رہو....!“ عمران سر اٹھا کر بولا۔ ”اس ملک کے سرحدی محافظ ہوں گے۔

ہم پر ان کی نظر نہ پڑے تو اچھا ہے۔!“

اس بار عمران نے جیمسن کو قیدیوں کی نگرانی کے لئے غار میں چھوڑا اور ظفر کو ساتھ لے کر دروازے کے ذریعے اس غار میں داخل ہوا جہاں ہتھیاروں کا ذخیرہ تھا۔

عمران نے تار کا لچھا اٹھایا اور اُس کے ایک سرے کو ڈائنامیٹ سے اٹیچ کر کے بارود کی پیٹیوں اور بموں کے درمیان رکھ دیا اور پھر ڈرائی بیٹری کو اٹھا کر تار کے دو لچھے مل کھولتا ہوا جسے اُس نے ڈائنامیٹ سے اٹیچ کر دیا تھا۔ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگا۔

قیدی سمیت سب باہر نکل آئے تھے۔

جیمسن اور زہرہ کاؤس اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ غار سے نکل کر عمران تار بچھاتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔ ایک لچھے کا تار ختم ہونے پر اُس نے دوسرا لچھا اس میں جوڑ دیا تھا۔ اسی طرح تیسرا لچھا بھی ختم ہو گیا تھا۔

عمران کے اندازے کے مطابق وہ ہتھیاروں والے غار سے تقریباً ڈھائی تین فرلانگ کے فاصلے پر نکل آئے تھے۔

”کیا اتنا فاصلہ کافی ہو گا جان بچانے کے لئے۔!“ جیمسن بولا۔

”شائد.... کیونکہ وہ جگہ نشیب میں ہے اور ہم چڑھائی کی طرف آئے ہیں۔ یوں تو وہاں تاروں کے اور بھی لچھے موجود ہیں لیکن میں دیر نہیں کرنا چاہتا۔ جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو اور ہاں قیدی کا منہ نہ کھلنے پائے۔ ٹیپ چپکا دو تاکہ حلق سے ذرا سی آواز بھی نہ نکال سکے۔ میں غار میں بے ہوش پڑے آدمی کو اٹھالوں۔ اُسے یوں مرنے نہیں دوں گا۔!“

عمران غار کی طرف چل دیا۔

جیمسن اور ظفر الملک قیدی اور زہرہ کاؤس کی حفاظت کرتے ہوئے وہیں بیٹھے رہے۔ ان کی زندگی میں اس سے زیادہ ہولناک رات پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ ان کے جسم پسینے سے بھیگ رہے تھے۔

وقت ٹھہرا ہوا لگ رہا تھا۔ ہر ایک کو اپنے دل کی دھڑکن سینے کی بجائے کانوں میں محسوس ہو رہی تھی۔

جیمسن کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہاں بیٹھے بیٹھے صدیاں بیت گئی ہوں۔

عمران کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ چاروں خاموش بیٹھے اس راہ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے جس پر عمران آتا ہوا دکھائی دینا چاہئے تھا۔

پڑتے ہوں۔ آج بھی یہ سب افراد ”ہوٹل برائنٹ اسٹار“ میں صبح تک داو عیش دینے آئے ہوئے تھے۔ اسٹیمر پر صرف ریڈیو آپریٹر ہی رہ گیا تھا۔ صبح سے شام ہو گئی۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ ساحلی تفریح گاہ پر چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ آج کی ٹیم کا سربراہ جوزف تھا۔

جوزف کی سرکردگی میں جیمسن، ظفر الملک اور زہرہ اندھیرا پھیلنے کے بعد چل پڑے تھے۔ یہ سب جھیل کے کنارے کنارے دوڑھائی فرلائگ تک چلنے کے بعد ایک کناؤ کے قریب پہنچے جہاں ایک خاص قسم کی لالچ لنگر انداز تھی۔ وہ لالچ میں سوار ہو گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد لالچ کھلے پانی میں نکل آئی تھی اور اسٹرونگ جیمسن کر رہا تھا۔ زہرہ ان کے ساتھ آتو گئی تھی مگر وہ کسی قدر خوفزدہ نظر آرہی تھی۔ زیادہ باتیں نہیں کر رہی تھی۔ دراصل اس کو کاؤس کی طرف سے تشویش تھی۔ اُس نے کئی بار ان سب سے آئندہ پروگرام معلوم کرنے کی کوشش کی مگر سب نے لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا اور نہ ہی یہ بتایا تھا کہ وہ جھیل میں لالچ کیوں دوڑا رہے ہیں۔

زہرہ بار بار یہی سوچ رہی تھی کہ اُسے کاؤس کے ساتھ رہنا چاہئے تھا۔ اپنا پھر اپنا ہی ہوتا ہے۔ لیکن اب تو لالچ چل پڑی تھی۔

رات تاریک اور ٹنک تھی۔ اتنی ٹھنڈک بہر حال تھی کہ لالچ کے عرشے پر پڑا آدمی ٹھنڈ کر رہا جائے۔ لیکن یہ جوزف تھا جس پر اتنی ٹھنڈ کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ جوزف عرشے پر اوندھا پڑا تھا اور ظفر الملک اور زہرہ کیبن میں تھے۔

جوزف رکھوالی کرنے والے کتے کی طرح چوکنا ہو کر چاروں طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ تاریکی کچھ زیادہ ہی تھی۔

دفعۃً وہ چوک پڑا۔ اس کی توجہ کا مرکز قریب ہی سے گزرنے والی ایک چھوٹی سی بادبانی کشتی تھی۔ کچھ دور جا کر کشتی پھر اسی جانب مڑی اور آہستہ آہستہ ان کی لالچ کی طرف بڑھنے لگی۔

کشتی ایک بار پھر ان کی لالچ کے قریب سے گزر گئی۔

جوزف کی لالچ کے برابر ہی دو لائیں اور بھی تھیں۔ ان کے بعد تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔

دھماکے والی جگہ پر اب بھی دھواں مسلط تھا۔

ہیلی کوپٹر نے دو تین چکر لگائے اور پھر پردوں کو پھڑپھڑاتا ہوا ایک طرف روانہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ چھپتے چھپاتے اس جگہ سے نکلے اور قیدی کی رلہ نمائی میں ایک طرف چل پڑے۔ ایک بار پھر ہیلی کوپٹر کی آواز آئی تھی۔ شاید سرحدی محافظ پوری طرح حرکت میں آئے تھے۔ اب کی بار دو ہیلی کوپٹر آئے تھے اور ان کے پائلٹوں کو غالباً لینڈ کرنے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش تھی۔

عمران کی چھٹی حس بیدار ہو گئی تھی۔ وہ سب بڑی تیزی سے نشیب میں اترنے لگے تھے۔ سطح زمین پر پہنچ کر انہوں نے باقاعدہ دوڑ لگادی تھی۔ ہیلی کوپٹر اُس چٹان پر پہنچ کر معلق ہو گئے جہاں کچھ دیر پہلے وہ سب موجود تھے۔ پھر ایک ہیلی کوپٹر سے مشین گن کی فائرنگ سنائی دینے لگی۔ انہوں نے دوبارہ دوڑنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک اسی چٹان پر فائرنگ ہوتی رہی۔ لیکن ہیلی کوپٹروں نے لینڈ نہیں کیا تھا۔

پھر اچانک فائرنگ بند ہو گئی اور ہیلی کوپٹروں کی آواز بھی بتدریج دور ہوتی چلی گئی۔ دوڑتے دوڑتے سب ایک جگہ گر کر ہاپنے لگے۔

جب ذرا حواس بجا ہوئے تو قیدی بولا۔ ”آپ فکر نہ کریں۔ اس طرح لے چلوں گا کہ کسی کی بھی نظر نہیں پڑے گی۔“

پھر وہ ایک گھٹنے کے بعد اس غار تک پہنچ گئے تھے جس کا حوالہ قیدی نے دیا تھا اور غار میں چلے تبدیل کرنے کے بعد صبح ہونے سے پہلے پہلے آبادی کی طرف روانہ ہو گئے۔



مغربی کنارے سے مشرقی کنارے تک بس پانی ہی پانی تھا۔ جھیل ”یکراں“ جھیل کیا تھی سمندر میں ایک ذیلی سمندر لگتی تھی۔

جھیل کے مغربی کنارے پر بے شمار کشتیاں دن بھر آتی جاتی رہتی تھیں۔ اس جھیل میں ماہی گیری بھی ہوتی تھی۔ لیکن مغربی کنارے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک صرف ایک ہی اسٹیمر کی اجارہ داری تھی۔ اس اسٹیمر کا عملہ دس افراد پر مشتمل تھا۔ یہ افراد جب عیش کرنے ”ہوٹل برائنٹ اسٹار“ میں آتے تو روپیہ اس طرح بہاتے تھے گویا جھیل سے سونے کی مچھلیاں

”لہراتے ہوئے چلو....!“ جوزف بولا۔

جیمسن وہیل کو الٹی سیدھی گردش دینے لگا۔

جوزف بدستور رانفل سنبالے رہا۔ مگر پھر روشنی دکھائی نہ دی۔ شاید وہ واپس چلے گئے تھے۔ اندھیرے میں جھک مارنے سے فائدہ بھی کیا تھا....؟

”لیکن ہم جائیں گے کہاں....؟“ ظفر نے پوچھا۔

”فی الحال یوں ہی چلتے رہیں گے۔ اگر کہیں لالچ چھپانے کی جگہ مل گئی تو لالچ دیں لے جائیں گے۔“ جوزف نے جواب دیا۔

”تم لوگ اپنی جائیں بچانے کی کوشش کرو اس جھیل میں کہیں نہ کہیں مار ڈالے جاؤ گے۔ جس لالچ پر انہیں شبہ ہو جاتا ہے اسے غرق کر دیتے ہیں۔“ زہرہ پُرتشویش لہجے میں بولی۔

”مسی تم فکر نہ کرو۔“ جوزف نے اسے اطمینان دلایا۔

”کیسے نہ کروں.... تم لوگ میری ہی جان بچانے کے لئے اس چکر میں پڑ گئے ہو۔ تھوڑی دیر میں اسٹیر بھی حرکت میں آجائے گا۔“ زہرہ بولی۔

”آئے دو.... ہم آسانی سے غرق ہو جانے والے نہیں ہیں۔“ ظفر بولا۔

”تم اس اسٹیر کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو۔ کئی ہلکی توپیں اس پر موجود ہیں۔ ایک نشست والا چھوٹا ہیلی کوپٹر بھی ہے۔“

”اُوہ.... تب تو جلدی ہی کرنی چاہئے ورنہ اگر انہوں نے ہیلی کوپٹر کی سرج لائٹ استعمال کر ڈالی تو مار ہی لئے جائیں گے۔“ جیمسن نے لالچ کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔

”یہ تم لوگوں کے پروفیسر کہاں رہ گئے....؟“ اچانک زہرہ نے سوال کیا۔

”مرضی کے مالک ہیں.... جہاں چاہتے ہیں رہ جاتے ہیں۔“ جوزف بولا۔ زہرہ انگریزی سمجھ اور بول سکتی تھی۔ جوزف اُس سے انگریزی میں ہی بات چیت کرتا تھا۔

”وہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے۔“ زہرہ بولی۔

”وہ تو آج تک ہماری بھی سمجھ میں نہیں آئے۔“ ظفر الملک بولا۔ ”تم ان کو سمجھنے کی فکر نہ

کر ورنہ کاؤس جی سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔“

”کاؤس پر تو انہوں نے جادو کر دیا ہے۔“ زہرہ بولی۔

اُس خالی جگہ کو بادبانی کشتی نے پُر کر دیا تھا۔ کشتی میں دو آدمی تھے۔ اس کا اندازہ جوزف کو اندھیرے میں بھی ہو گیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت جوزف نے کسی اور لالچ کے اشارت ہونے کی آواز سنی تھی۔ پھر اسی سائڈ سے ایک لالچ نے ڈوک چھوڑا تھا۔ جہاں اس نے بادبانی کشتی دیکھی تھی۔ لالچ کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا۔ اُس کا بیوٹی نظروں سے اوجھل ہوا ہی تھا کہ بادبانی کشتی بھی آہستہ آہستہ اُدھر ہی روانہ ہوئی جدھر لالچ لگی تھی۔

جوزف تیزی سے اُس جگہ پہنچا جہاں جیمسن موجود تھا۔ اُس نے جیمسن سے کہا۔ ”شائد ہمارا تعاقب شروع ہو گیا ہے۔ تم وہیل پر رہو۔ میں سنبالوں گا انہیں۔ بس سیدھے نکل چلو۔ باس نے مجھے پورے سمندر کا نقشہ گھول کر پلا دیا ہے۔ اس لالچ پر سرخ لائٹ لگی ہے۔ ہو سکتا ہے انہیں کچھ شبہ ہو گیا ہو۔!“

جوزف رانفل اٹھا کر لالچ کے پچھلے حصے میں آگیا۔ ابھی دونوں لالچوں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ سرج لائٹ کی شعاعیں جوزف کی لالچ کے اوپر سے گذر رہی تھیں۔ لالچ گردش کرنے والی روشنی کی زد میں نہیں آرہی تھی۔ پھر جیسے ہی موقع آیا جوزف نے سرخ لائٹ پر فائر کر دیا۔ جوزف کا نشانہ تھا۔ غلط ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

سرج لائٹ کی روشنی غائب ہو چکی تھی۔

”بس تم اسی رفتار سے چلتے رہو۔“ جوزف نے جیمسن کے پاس آکر کہا۔

زہرہ اور ظفر الملک بھی کیمین سے نکل کر جیمسن اور جوزف کے پاس ہی آگئے۔ زہرہ کاؤس کے چہرے پر خوف کے آثار گہرے ہو گئے تھے۔ ابھی ان کی لالچ کچھ ہی دور گئی ہو گی کہ اچانک سرج لائٹ پھر روشن ہو گئی۔

”اُوہ.... شائد دوسری لالچ آرہی ہے۔“ جوزف بڑبڑایا۔ اس نے رانفل سنبال لی تھی۔ جیسے ہی دوسری لالچ زد پر آئی اُس نے فائر کر دیا۔ روشنی پھر غائب ہو گئی۔ اس بار اُدھر سے بھی فائر ہوئے تھے۔

”اگر آج زندہ بچ گئے.... تو صبح تمہارے ہاتھ چوم لوں گا۔ کیا صحیح نشانہ لگاتے ہو۔“ جیمسن نے جوزف سے کہا۔

”بلکہ تم سب ہی بڑے عجیب ہو۔ جو بظاہر نظر آتے ہو یہ باطن نہیں ہو۔!“
 ”ہم سب تو بظاہر الو نظر آتے ہیں۔!“ جیمسن جل کر بولا۔
 زہرہ ابھی جواب نہیں دے پائی تھی کہ جوزف نے اسے خاموش کر دیا۔
 ”ہو شیار ہو جاؤ.... میں ہیلی کو پٹر کی گڑ گڑا ہٹ سن رہا ہوں۔!“ جوزف بولا۔
 ”مجھے تو سنائی نہیں دے رہی۔!“ زہرہ بولی۔

”دور ہے۔!“ جوزف بولا۔ ”اب تم وہیل چھوڑ دو.... میں لالچ سنبھالوں گا۔!“
 وہیل پر جوزف آگیا اور دفعتاً لالچ کا رخ بھی بدل گیا۔

لالچ کی رفتار برائے نام رہ گئی تھی۔ انجن کی آواز ایسی لگ رہی تھی جیسے کسی بند جگہ میں گونج رہی ہو۔
 لالچ ایک جگہ رک گئی۔

”خدا کی پناہ... یہاں تو اتنا اندھیرا ہے۔!“ زہرہ بولی۔ اس کی آواز میں خوف کا عنصر نمایاں تھا۔
 ”ہم کھلے آسمان کے نیچے نہیں ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ ایک بڑے سے غار میں ہیں۔ جس
 میں جھیل کا پانی بھرا ہوا ہے۔ اس وقت لالچ کو چھپانے کے لئے قریب ترین جگہ یہی ہے۔!“
 جوزف نے وضاحت کی۔

”اگر ان کو اس جگہ کا علم ہو تو چوہے بل میں ہی مار ڈالے جائیں گے۔!“ جیمسن نے کہا۔
 ”گھٹن بھی بہت ہے۔!“ ظفر بڑبڑایا۔

”خاموش.... سنو.... ہیلی کو پٹر....!“ جوزف بولا۔

ہیلی کو پٹر کی گرج قریب ہو کر پھر دور ہوتی چلی گئی۔ ہیلی کو پٹر سے روشنی نیچے نہیں ڈالی گئی تھی۔
 وہ سب بالکل خاموش تھے۔

”آج بچ نہیں سکیں گے۔!“ زہرہ روہانسی آواز میں بولی۔

”بچ گئے.... اب ہمارا کوئی کیا بگاڑے گا۔!“ جیمسن بولا۔

دفعتاً ہیلی کو پٹر کی گرج پھر سنائی دی۔

”ناممکن.... وہ ہمیں تلاش کئے بغیر ہر گز نہیں مانیں گے۔!“ زہرہ مایوسی سے بولی۔

اس بار انہیں کٹاؤ کے دہانے کے قریب روشنی نظر آئی تھی اور ہیلی کو پٹر کی گذرتی ہوئی آواز
 کے ساتھ ہی یہ روشنی بھی غائب ہو گئی۔

”یہ غالباً اسٹیمر کی طرف گیا ہے۔!“ زہرہ بڑبڑائی۔

”ہو سکتا ہے پائیلٹ کو غار کا دہانہ نظر آگیا ہو۔!“ ظفر نے کہا۔

”اب فوراً یہاں سے کھسک لینا چاہئے۔!“ جیمسن نے کہا۔

”لالچ میں کتنا اندھن ہے....؟“

”اندھن کی فکر نہ کرو.... بہت ہے.... اسے معمولی لالچ مت سمجھو....!“ جوزف بولا۔

ہیلی کو پٹر بہت دور جا چکا تھا۔

لالچ کا انجن اشارت ہوا اور وہ دھیرے دھیرے کھلی فضا میں سرک آئی۔ اب اس کا رخ
 دوسری طرف تھا۔ خاصی تیز رفتاری سے وہ آگے بڑھتی رہی۔

”ہم کب تک سمندر نور دی کریں گے....؟“ جیمسن نے جوزف سے سرگوشی میں پوچھا۔

”جب تک باس کا سنگٹل موصول نہ ہو۔!“ جوزف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اوہ.... تو آج کی رات سمندر میں جنگ وجدل ہوگی۔!“ جیمسن بولا۔

جوزف نے کوئی جواب نہیں دیا۔



اسلحے کے ذخیرے کی تباہی کے بعد اسکیم میں تھوڑی سی تبدیلی آگئی تھی۔

اسلحے کی آخری کھپ آج رات ہی بحری جہاز ”شرگل“ سے اسٹیمر پر منتقل کر کے لالچوں پر
 بار کرنا تھی۔

وہ دونوں انجن روم میں تھے۔ اسٹیمر سمندر کا سینہ چیرتا ہوا ایک سمت میں بڑھا جا رہا تھا۔

اسٹیمر پر ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا فرد موجود نہیں تھا۔ ان میں سے ایک ریڈیو آپریٹر تھا

اور دوسرا اسٹیمر کو چلا رہا تھا۔

”یہ عجیب آدمی ہو.... میرا ذہن ہی بدل کر رکھ دیا تم نے تو۔!“ ان میں سے ایک بولا۔

”ارے نہیں.... میں بھلا کیا؟“ دوسرے نے انکار سے کہا۔ ”تمہاری اپنی ہی مٹی نم تھی۔!“

”لیکن آخر ہم دو آدمی کیا کر سکیں گے۔!“ دوسرا بولا۔ ”تم یہ بتاؤ کہ اس ”آخری آدمی“ کے

بارے میں کچھ جانتے ہو....؟“

”میں صرف اُس سیاستدان کے بارے میں جانتا ہوں۔ جس کے سر پر بقول تمہارے تاج

رکھا جانے والا ہے۔“

”کیا وہ ہمیشہ ہی اسلحہ کی کھپ کے ساتھ آتا ہے....؟“

”نہیں.... صرف آج کی رات ایسا ہوا ہے۔ دراصل وہ شخص جو اس آپریشن کا سربراہ ہے وہ بہ نفس نفیس سیاستدان کو تاج پہنانے آرہا ہے۔ پہلے تو اسکیم یہی تھی کہ اسلحہ اور وہ دونوں ایک ساتھ ہی اسٹیئر پر منتقل کئے جائیں۔ مگر ذخیرے کی تباہی نے شاندا انہیں اپنی اسکیم میں تبدیلی پر مجبور کیا ہے۔ اب اسٹیئر کے ذریعے پہلے اُن دونوں کو اکیلے ہی ساحل تک پہنچانا ہو گا۔ ”شرگل“ سے اسلحہ بھی بعد میں اتارا جائے گا۔ ساحل پر ایک بندوین پہلے ہی سے موجود ہوگی۔ جو اُن دونوں کو نامعلوم منزل کی طرف لے جائے گی۔ اسٹیئر مجھے خود ہی چلا کر لے جاتا تھا۔“

”اسٹیئر پر صرف دو آدمی دیکھ کر وہ شبہ نہیں کرے گا؟“

”اُسی کا حکم تھا کہ اسٹیئر کے پورے عملے کو آج رات چھٹی دے دی جائے۔ صرف مجھے ہی اسٹیئر پر موجود رہنا تھا۔ البتہ مسئلہ تمہارا ہے۔“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”پرواہ مت کرو.... میں اپنا انتظام خود کر لوں گا۔“

”پرواقسر.... آدمی سے زیادہ درندہ کوئی اور بھی ہے؟ آخر اسے اشرف کس وجہ سے کہا جاتا ہے؟ یہ تو درندگی کو بھی پیچھے چھوڑ گیا ہے۔“

”یہی اس کے اشرف ہونے کی علامت ہے کہ جب اٹھتا ہے تو اتنا اٹھتا ہے کہ دلی ہو جاتا ہے اور گرتا ہے تو اتنا گرتا ہے کہ کوئی انتہا نہیں رہتی۔“

”ٹھیک کہتے ہو.... انسان جس قدر بھی انسان نظر آرہا ہے وہ صرف اسی وجہ سے نظر آرہا ہے کہ اُس کے مقابل ایک ایسی مخلوق بھی موجود ہے جو اُسے اشرف بنائے رکھنے پر بھند ہے۔“

”اُس مخلوق کا نام نہ لو.... درندہ بنانے والی بھی وہی ہے۔“

”کچھ بھی کہو پرواقسر.... مجھے تو اس تاریکی سے نکالنے والی وہی ہستی ہے یا پھر تم ہو۔ ورنہ میرا بیڑہ غرق ہونے میں کیا کسر رہ گئی تھی؟ اگر آج کی رات جان بچ گئی تو باقی ساری زندگی ملک کی خدمت میں گزار دوں گا۔“

دوسرے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں مستغرق تھا۔

اسٹیئر آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

چاروں اطراف اعصاب شکن سناٹا چھایا ہوا تھا۔

اچانک اسٹیئر کی رفتار میں کمی آنا شروع ہو گئی۔ کیونکہ اسٹیئر کے ارد گرد بہت سی لالچیں بڑھ ہی تھیں۔

لالچیں ابھی اسٹیئر سے دور تھیں مگر احساس ہوتا تھا کہ وہ اسٹیئر کے گرد گھیر اڑال رہی ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ گھیرا جگمگ ہوتا جا رہا ہے۔

اسٹیئر کے ریڈیو آپریٹر نے اندر کی سب روشنیاں بجھا دیں صرف ایک ہیڈ لائٹ جل رہی تھی۔ سمندر خاموش اور بے شکن تھا۔

ایک خاص حد تک جا کر لالچیں رک گئیں اور اسٹیئر بڑھتا رہا۔ آخر قریباً پندرہ منٹ کا سمندری سفر طے کر نیکے بعد وہ ایک بحری جہاز سے کچھ فاصلے پر رک گیا۔ یہ بحری جہاز ”شرگل“ تھا۔ اسٹیئر سے ایک خاص قسم کا اشارہ کیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز سے بھی جواب میں مخصوص اشارہ دیا گیا۔

اس کے بعد اسٹیئر آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہوا جہاز سے جا کر جڑ گیا۔

ریڈیو آپریٹر چپ لگا کر جہاز کے عرشے پر پہنچ گیا۔

قریباً نصف گھنٹے بعد اُس کی واپسی ہوئی تو وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ دو آدمی بھی تھے۔

ایک اپنے پیروں پر چل کر اس کے ساتھ آیا تھا اور دوسرا وہیل چیئر پر بیٹھ کر.... یہ ایک خاص قسم کی وہیل چیئر تھی جسے آپریٹر خود دھکیل کر لا رہا تھا۔ دوسرا آدمی بڑے مودب انداز میں وہیل چیئر کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

کرسی نشین کی خواہش پر اُس کی چیئر کھلے عرشے میں رکھی گئی تھی۔

ریڈیو آپریٹر بھی مودب انداز میں اُس آدمی کے سامنے کھڑا تھا۔

”یہ کون ہے....؟“ کرسی نشین کے ساتھ آنے والے نے کہا۔

”معتبر آدمی ہے۔ گونگا اور بہرہ ہے۔ اسٹیئر چلانے کے لئے ساتھ لے آیا ہوں۔ میرے

دونوں شانوں میں شدید تکلیف تھی۔“ ریڈیو آپریٹر نے جواب دیا۔

کرسی نشین ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ اُس کی آنکھوں پر رات میں بھی تاریک شیشوں کی عینک

لگی ہوئی تھی۔ پیروں پر موٹی سی قیمتی چادر پڑی ہوئی تھی جس سے پیٹ سے لے کر نیچے تک

ڈھک گئے تھے۔ اُس کے زانوؤں پر رکھے ہوئے دونوں ہاتھ چادر سے ڈھکے ہوئے تھے۔

ریڈیو آپریٹر اس شخص کے سامنے گھبرایا گھبرایا سا لگ رہا تھا۔

اسٹینر نے واپسی کا سفر شروع کر دیا اور پھر ایک خاص پوائنٹ پر آکر رک گیا۔

”یہاں کیوں روکا ہے....؟“ وہ ہیل چیئر والے کے ساتھی نے چونک کر پوچھا۔

”آگے خطرہ ہے....!“ ریڈیو آپریٹر بولا۔

”کیسا خطرہ....؟“ وہ آدمی بولا۔

”راستہ کلیئر نہیں ہے.... کچھ لائنوں نے اسٹینر کا تعاقب کیا تھا ہو سکتا ہے وہ لائنیں بحری فوج کی ہوں۔!“

”بکواس....!“ وہ آدمی تنک کر بولا۔ ”اسٹینر میں کیا ہے جو ہمیں خطرہ ہوگا۔!“

”یہ بھی ٹھیک ہے....!“ ریڈیو آپریٹر بولا۔ ”ہمارے پاس کوئی غیر قانونی چیز تو ہے نہیں۔!“

”بڑھاؤ اسٹینر.... ہمیں اپنی منزل مقصود پر فوراً پہنچنا ہے۔!“ وہ آدمی بولا۔

”اسٹینر پھر بھی نہیں چلے گا۔!“ ریڈیو آپریٹر سنجیدگی سے بولا۔

”کیا مطلب؟“ وہ آدمی غصے سے بولا۔ ”تم ہوش میں ہو یا نہیں؟ باس کی موجودگی میں یہ گستاخی۔!“

”میں کسی باس کو نہیں جانتا.... صرف تمہیں جانتا ہوں۔ تمہارے کہنے سے اور تمہاری

دوستی میں ہتھیاروں کی اسمگلنگ کے لئے آمادہ ہو گیا تھا۔ پیارے کامریڈ.... اسمگلنگ اور غداری

میں بہت فرق ہوتا ہے۔!“ ریڈیو آپریٹر بولا۔

”کک.... کیا.... تم....!“ اس کی آنکھوں میں حیرت جاگ اٹھی۔

”ہاں میں.... تم سے دھوکہ کھا گیا تھا۔ میں اپنے ملک کا غدار نہیں ہوں۔!“

”اسمگلنگ ملک کی خدمت ہے....؟“ وہ جل کر بولا۔

”خدمت نہیں تو غداری بھی نہیں.... اور اسمگلنگ پر بھی تم نے ہی لگایا تھا۔ دیکھو کامریڈ

میری بیوی مجھے مل گئی ہے اور اُس نے جو کچھ تمہارے عزائم کے بارے میں بتایا ہے میں اس میں

تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔!“

”تم سمجھتے ہو کہ ہم سے غداری کر کے بچ جاؤ گے....؟ ہرگز نہیں.... تمہاری حیثیت ہی

کیا ہے۔!“ وہ دانت پیس کر بولا۔

”پہلی حکومت کی بھی یہی غلطی تھی کہ اس نے تمہیں بہت چھوٹ دی اور اس حکومت کی

می بھی غلطی ہے کہ تم سے چشم پوشی کی۔!“ ریڈیو آپریٹر بولا۔

”بکواس بند کرو....!“ وہ پیرنچ کر بولا۔ ”چھوٹ ہم نے حکومت کو دے رکھی ہے۔ ورنہ

بچا ہیں اس کا تختہ الٹ دیں۔!“

”ان جیسے معذوروں کے بل بوتے پر....!“ ریڈیو آپریٹر مضحکہ اڑانے والے انداز میں

ہیل چیئر والے کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے ہنس کر بولا۔

”میں تمہاری زبان بند کروں گا اگر باس کی شان میں گستاخی کی۔!“ وہ نکتھن پھلا کر بولا۔

”باراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف تمہارے جذبے کی گہرائی ناپ رہا تھا۔ ورنہ

اس حکومت سے بہت سارے نالائق ناخوش ہیں کوئی غیرت مند قوم اسے برداشت نہیں کر سکتی

کہ انگریزوں سے نجات پانے کے باوجود ابھی تک سفید قاموں کے دروں پر سجدے کرتی رہے۔!“

”تم حد سے بڑھ رہے ہو کاؤس.... تمہیں مرنا پڑے گا۔!“ وہ دانت پیس کر بولا۔

”کامریڈ.... میری ایک بات کا جواب دو....!“

”جلدی بکو....!“

”اگر باس کی وفاداری سے ملک کا تخت و تاج مل سکتا ہے تو تم میں کیا سرخاب کے پر لگے

ہوئے ہیں۔ یہ تاج میں ہی کیوں نہ پہنوں۔!“ ریڈیو آپریٹر چڑانے والے انداز میں بولا۔

وہیل چیئر والا ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔

وہ اپنی جگہ پر ساکت و جامد بیٹھا ریڈیو آپریٹر کو گھورے جا رہا تھا۔

”کامریڈ.... تم اول درجے کے نمک حرام ہو۔!“ آپریٹر بھر بولا۔ ”تم اپنے دوستوں کے

ساتھ بھی دغا کرتے ہو۔ جس برتن میں کھلتے ہو اُسی میں چھید کرتے ہو.... ایک ہفتہ پیشتر تم

نے ایک ایسے ملک کا خفیہ دورہ کیا ہے جس کی پالیسیاں ہمارے ملک کے خلاف ہیں.... تم نے اُن

سے درپردہ معاہدہ کیا ہے کہ اگر تم برسرِ اقتدار آگے تو اس علاقے میں اُن کا فوجی اڈہ قائم کر دو گے

جس کے خواب وہ بہت طویل عرصے سے دیکھ رہے ہیں اور اس ملک نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ

تمہیں برسرِ اقتدار لانے میں حتی الامکان مدد دیں گے۔“ یہ کہہ کر آپریٹر اچانک کرسی نشین سے

مخاطب ہوا۔ ”بولو.... کر تل.... کیا تمہیں کامریڈ کی اس کمینگی کا علم ہے؟“

لئے اپنے ملک کا نمک حرام ہونا تو ضروری تھا۔ غلط کہہ رہا ہوں کیا۔!“
”در اصل قتل تمہیں کرنا چاہئے تھا۔“ کرنل دانت پیس کر بولا۔

”حاضر ہوں.... کو شش کرو....!“ عمران اس کو چڑانے والے انداز میں بولا۔
”مجھے نہ بتانا سمجھنا.... آج بھی تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“ کرنل بولا۔

”غلط فہمی کا شکار ہو....!“ عمران اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ”پیچھے دیکھو....“
اسنیر کو بحری فوج کی لائنوں نے محاصرے میں لے لیا ہے۔ اب وہ صرف میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں۔ اس وقت تمہارا کوئی مددگار دور دور تک نہیں پھٹک سکتا۔“
ایک لمحے کے لئے کرنل ہوریثیو کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نمودار ہوئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پرسکون نظر آنے لگا۔

اچانک ہیلی کوپٹر کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ عمران یہی سمجھا کہ بحری فوج ہر طرف سے حرکت میں آگئی ہے۔ سمندر پر بھی اور فضا میں بھی.... ہیلی کوپٹر وہاں آکر اسنیر کے عرشے پر معلق ہو گیا جہاں عمران کھڑا تھا اور کرنل ہوریثیو وہیل چیئر پر بیٹھا تھا۔ دونوں نے بیک وقت ہیلی کوپٹر کو دیکھا تھا۔

دفعتاً عمران چونک پڑا اُن کے سروں پر معلق ہونے والا ہیلی کوپٹر بحریہ سے تو ہرگز تعلق نہیں رکھتا تھا۔

عمران نے بے اعتباری سے کرنل ہوریثیو کی جانب دیکھا۔ کرنل کی آنکھوں میں تسخیر جھانک رہا تھا۔

عمران ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

”میں کہیں بھی بے بس نہیں ہو سکتا۔!“ کرنل نے اُس کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔
اُدھر ہیلی کوپٹر سے سیزھی لڑکادی گئی جو کرنل کے سر پر کافی اونچائی پر آکر ٹھہر گئی تھی۔
عمران کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر بحری فوج کے ہیلی کوپٹر کہاں رہ گئے۔

اچانک کرنل ہوریثیو نے اس کی طرف دیکھ کر دیوانہ وار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”دیکھو.... میں جارہا ہوں۔!“

ریڈیو آپریٹر کی زبان سے نکلنے والے الفاظ.... الفاظ نہیں تھے۔ گویا ہم تھے۔ کرسی نشین اپنی جگہ پر اچھل کر رہ گیا۔

”کون ہو تم....؟“ کرسی نشین نے پہلی بار زبان کھولی اور حیرت سے پوچھا۔
”وہی آپ کا پرانا خادم....!“

یہ کہہ کر ریڈیو آپریٹر نے اپنے چہرے پر سے خول اتار دیا اور اندر سے عمران کا حماقت آمیز چہرہ نکل آیا۔

”تت.... تم....!“ کرسی نشین حیرت سے بولا۔

”جی.... میں....!“ عمران سینے پر ہاتھ رکھ کر جھٹکتے ہوئے بولا۔ ”میں کرنل ہوریثیو کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اب آپ بھی اپنے چہرے پر سے خول اتار دیجئے۔ کامریڈ کیا جانے کہ ہم دونوں تو پرانے واقف کار ہیں.... پھر یہ بے چارہ تو تمہیں شاید پوری طرح جانتا بھی نہیں ہوگا۔!“

کامریڈ عمران کو دیکھ کر مری طرح چونک پڑا اور پھر کرنل ہوریثیو سے اُس کی گفتگو سن کر ایک طرف کو بھاگا اور یہی اس کی غلطی تھی۔ کرنل ہوریثیو کا اڑتا ہوا خنجر اُس کی کمر میں پیوست ہو گیا۔ ایک دلدوز چیخ سے پورا ماحول مرتعش ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا تھا کہ عمران کسی قسم کی مداخلت نہ کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ کرنل ہوریثیو ایک ماہر خنجر باز ہے۔ پیچھے دیکھے بغیر بھی صحیح نشانے پر خنجر پیوست کر سکتا ہے۔

”کرنل.... تم اب تک اتنے ہی منتقم ہو جتنے پہلے تھے۔ کامریڈ کو تم نے صرف اس وجہ سے قتل کیا ہے کہ وہ تمہارے علم میں لائے بغیر ایک خفیہ معاہدہ کر چکا تھا۔!“

”میرا یہ خیال غلط نہیں ہو سکتا کہ تم ہی اکیس ٹو ہو۔!“ اچانک کرنل ہوریثیو بولا۔

”یہی سمجھتے رہو.... کیا فرق پڑتا ہے۔!“ عمران لاپرواہی سے بولا۔ ”البتہ تمہاری یہ سمجھ بالکل غلط تھی کہ تم میرے ملک میں بغاوت کرانے کے اقدامات کرتے رہو گے اور مجھے خبر نہ ہوگی۔ میں نے تمہارا فائل پڑھا تھا اور اُسی میں جیل سے تمہارے فرار ہونے کا طریقہ درج تھا۔ اسی وقت سے میں تمہاری راہ میں لگ گیا تھا۔ تم چھوٹے چھوٹے جرائم میں الجھا کر مجھے اس علاقے سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ مگر تمہارے آدمی بڑے ناکارہ ثابت ہوئے۔ مجھے الجھانا سکے.... اور جس شخص کے سر پر تم سہرا باندھنے آئے تھے وہ پرلے درجے کا نمک حرام تھا۔ لیکن تم سے گٹھ جوڑ کر بننے کے

نے خود کشی کر لی تھی۔



سائیکو مینشن کے ساؤنڈ پروف آڈیو ریم میں خاصی رونق دکھائی دے رہی تھی۔

عمران سمیت سارے ممبر موجود تھے۔

”آج پھر ان کے سہرہ بندھے گا!“ نعمانی نے عمران پر چوٹ کی۔

”اے... جاؤ... خواہ خواہ...!“ عمران نے شرماتے کی بے مثال اداکاری کی۔

”ہم سب یہیں جھک مارتے رہے اور یہ حضرت پالانا گئے!“ ٹیکنیشن خاور ہنس کر بولا۔

اچانک مائیکروفون سے آواز آئی۔ سب ممبر ”ایٹینشن“ ہو گئے۔ ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی آواز

آڈیو ریم میں گونجنے لگی۔

”سازش کی کہانی اُس وقت سے شروع ہوئی ہے جب سابقہ حکومت کے ایک نام نہاد وفادار

سیاستدان نے اُس حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تھی جس نے اُسے سیاستدان کی حیثیت سے

ملک میں ابھارا تھا۔ سازش کا انکشاف ہو جانے پر وہ ملک سے فرار ہوئے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر

اپنے پیچھے سازش کا بیج بو گیا تھا۔ اس سے قبل بھی ایک سازش گذشتہ سال جولائی میں پکڑی گئی

تھی جس میں تقریباً چھ سو افراد ملوث پائے گئے تھے۔ اس سازش میں بھی ایسے ہی اعلیٰ افسران اور

افراد شامل تھے جو نہ سابق حکومت کو پسند کرتے تھے اور نہ ہی موجودہ حکومت کو۔ وہ ایک خاص

مکتبہ فکر کے افراد ہیں جو اپنی سربراہی میں کاروبار حکومت چلانا چاہتے ہیں۔ اُس سازش کا سراغ

ان مخصوص ہتھیاروں کی مدد سے لگایا گیا تھا جو ایک سپر طاقت نے دیئے تھے۔ گذشتہ سازش کا

جلد ہی قلع قمع کر دیا گیا تھا۔

موجودہ سازش کا سیٹ اپ ایک ایسے شخص نے تیار کیا تھا جو دونوں طاقتوں کو ذیل کر اس کر رہا

تھا۔ وہ اپنے اس کام میں ماہر ترین شخص سمجھا جاتا تھا۔ وہ تھا کرنل ہوریٹیو... آپ لوگوں کو یاد ہوگا

کہ قریباً چھ سال پہلے بھی اُس نے ہمارے ملک میں زبردست سازش کی تھی اور عمران کے ہاتھوں

گرفتار ہو گیا تھا۔ اسلحہ کی اسمگلنگ کا بادشاہ مانا جاتا تھا۔ مقدمہ چلنے سے پہلے ہی وہ جیل سے فرار ہو گیا

تھا۔ سولہ سال پہلے اُس کے دونوں پاؤں کسی حادثے میں ضائع ہو گئے تھے اور اس نے مصنوعی پاؤں

لگوا لئے تھے۔ لیکن اس نے ہاتھوں کے بل اپنا دھڑا اوپر اٹھا کر چلنے میں مہارت حاصل کر لی تھی۔

یہ کہہ کر اس نے کرسی کے ہتھے میں لگا ایک بٹن پیش کیا اور کرسی کی سیٹ کرنل کے لئے فضا میں اچھل گئی۔ جونہی کرنل ہیلی کوپٹر کی سیر ہی تک پہنچا اس نے دونوں ہاتھوں سے سیر ہی تھام لی۔ عمران سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آجائے گا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل بھی نہیں تھی کہ کرنل پر فائر ہی کر دیتا۔

اچانک لالچ کی سرچ لائٹس اوپر ہیلی کوپٹر پر ڈالی گئیں..... خدا کی پناہ..... عمران ٹھٹھک کر

رہ گیا۔ عجیب و غریب اور دل ہلا دینے والا منظر تھا... کرنل ہوریٹیو کی ٹانگیں کرسی ہی پر رہ گئی

تھیں اور وہ ہاتھوں کے سہارے ہیلی کوپٹر کی سیر ہیاں چڑھ رہا تھا۔ اُس کا آدھا دھڑلک رہا تھا۔

لالچ پر موجود پائلٹ بھی شاید اس نظارے میں محو ہو گیا تھا۔ ورنہ کرنل سمیت سیر ہی کھینچ

لیتا تاکہ کرنل کو سیر ہی چڑھنا نہ پڑتی۔

کرنل ہیلی کوپٹر کی کھڑکی سے دو چار ہاتھ ہی رہ گیا تھا کہ عمران چونک پڑا وہ نکلا جا رہا تھا جس

نے اُس کے ملک کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

دفعتاً عمران نے لالچ والوں کو کوئی اشارہ کیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے کئی لالچوں سے یہ ایک وقت

کرنل ہوریٹیو پر فائر ہوئے نشانے صحیح لگے تھے۔ کرنل ہوریٹیو کا جسم چیتھڑے چیتھڑے ہو کر

فضا میں بکھر گیا تھا۔

بڑا ہی دل ہلا دینے والا منظر تھا۔

اسی وقت کئی ہیلی کوپٹر زکی گڑگڑاہٹ سنائی دی یہ تین فوجی ہیلی کوپٹر تھے جنہوں نے کرنل

ہوریٹیو کے ہیلی کوپٹر کو جلد ہی چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔

”عمران خاموش تھا اور ابھی تک اوپر ہی دیکھے جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسٹیر اور لالچوں کا

قافلہ ڈوک کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی اسٹیر ڈوک پر پہنچا ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ یہ دھماکہ بحری جہاز ”شرگل“ کے

پھٹنے کا تھا۔

ریڈیو آپریٹر کے میک اپ میں جب عمران ”شرگل“ پر گیا تھا تب ہی شاید وہ وہاں ایک ٹائم بم

رکھ آیا تھا اور اب جہاز اپنے اسلحے سمیت پھٹ کر تباہ ہو گیا تھا۔

دوسرے دن بہت بڑے پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی تھیں کچھ کمزور دل سازشیوں

یہی مہارت جیل خانے سے فرار ہونے میں کام آئی تھی۔ اس نے ایک پہرے دار کو تیار کر لیا اور اسی کے توسط سے بدرہ کے ذریعہ جیل سے فرار ہو گیا تھا۔ مفروز سیاستدان سے جب اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے سیاستدان کو شیشے میں اتار کر اسلحے کی اسمگلنگ پر آمادہ کر لیا۔ مفروز سیاستدان دراصل اپنے ملک کا تختہ الٹ کر خود سربراہ بننے کا خواب دیکھتا رہا تھا۔ جب کرئل ہوریشیو پراس کی اس خواہش کا انکشاف ہوا تو اس کی دیرینہ فطرت عود کر آئی اور وہ اس کے لئے تیار ہو گیا کہ ایک سپر پاور اپنے مطلب کے آدمی کو حکمران دیکھنا چاہتی ہے اور وہ مطلب کا آدمی مفروز سیاستدان ہی ہو سکتا ہے اسلحے کی اسمگلنگ بھی جاری تھی اور حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش بھی اندر ہی اندر پروان چڑھ رہی تھی اور ایسے تمام لوگ سازش میں شریک ہو گئے تھے جو درحقیقت موجودہ حکومت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ بہت خفیہ طور پر ان سب کو مسلح کیا جا رہا تھا۔ اس بار مسلح بغاوت سرحدی علاقوں سے شروع ہونے والی تھی۔ لہذا کرئل ہوریشیو کی کوشش تھی کہ کسی طرح ہم سب کو معمولی معمولی جرائم میں الجھائے رکھا جائے اس طرح ہم سرحدی علاقوں سے دور رہ سکتے تھے اور وہ خاموشی سے اپنا کام کر سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کے پاس کام کے آدمیوں کی بھی کمی تھی۔ اس لئے وہ انہیں ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ جب مسلح بغاوت کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے اور صرف ایک رات درمیان میں رہ گئی تو کرئل ہوریشیو مفروز سیاستدان کے ہمراہ اسلحے کی آخری کھیپ لے کر خود آیا تھا تاکہ اس مسلح بغاوت کی کمان سنبھال سکے۔ سازش کی اس کہانی میں وہی ”ادھورا آدمی“ آخری آدمی بھی ثابت ہوا۔ اس سازش کے انکشاف کا سہرہ بھی عمران کے سر جاتا ہے۔ میں بھی اس دور دراز علاقے میں بھیڑ بھاڑ نہیں چاہتا تھا اُسے دھوکے میں رکھ کر مارنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کا وجود بہت بڑا خطرہ بنتا چلا جا رہا تھا۔ وہ مشرق سے مغرب تک پوری پٹی کو جنگ کی آگ میں جھونکنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ تیسری عالمی جنگ جلد از جلد چھڑ جائے تاکہ دنیا اپنے انجام کو پہنچ جائے۔ اس معاملے میں وہ ہٹلر کے انداز میں سوچنے لگا تھا کہ بس صرف اُسی کی قوم کو دنیا میں جینے کا حق ہے باقی دنیا کو ختم ہو جانا چاہئے۔ اور اینڈ آل.....!“



عمران دونوں ہاتھوں سے کان بند کئے سر جھکائے بیٹھا تھا اور تمام ورٹا اس کے گرد حلقہ ڈالے

اُسے یوں گھور رہے تھے جیسے اس کا دماغ الٹ گیا ہو۔ اُس نے بات ہی ایسی کہہ دی تھی۔ اس نے جیمسن، ظفر الملک اور جوزف کو شادی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ سب طوطوں کی طرح اُس کے گرد بیٹھے اُسے ٹکر ٹکر دیکھے جا رہے تھے۔ سلیمان کے ساتھ گلرخ بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ ”مجھے تو بے وقوف سمجھتے ہیں..... بلکہ دشمن بھی۔!“ سلیمان دیدے نچا کر بولا۔ ”ہمیشہ کہانا سنا سوٹ پہن کر کہیں نہ جایا کیجئے پہلے مجھے پہنا لیا کریں۔ جو آفت اور بلا چھٹنا ہوگی مجھے چپٹ جھانگی خود تو محفوظ رہیں گے۔ نیلا سوٹ پہن کر گئے تھے۔ کسی غیثت رُوح کا سایہ ہو گیا ہے۔ تب ہی تو یہی یہی باتیں کر رہے ہیں۔!“

”بے تجھ سے بڑی غیثت رُوح کون ہوگی!“ عمران کراہتا ہوا بولا۔

”باس..... سلیمان ٹھیک کہتا ہے۔“ جوزف نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

”ہاں..... ہاں..... تو کیوں نہ اس کی ”ہاں میں ہاں“ ملائے گا۔ نئے نئے جہانوں کی سیر جو کراتا ہے تجھے۔“ عمران کسی چڑچڑی عورت کی طرح دانت پیس کر بولا۔ ”خیر کچھ بھی کہو یہ میرا حکم ہے۔ تم سب کو شادی کرنا ہوگی۔“ اور پھر جیمسن کو مخاطب کیا۔ ”کیوں؟“ ابوال بھان ”تمہارا کیا خیال ہے۔ عربی عورت کیسی رہے گی؟..... رض..... ع..... بھی ٹھیک ہو جائے گی۔!“

”کسی بدو عورت سے شادی کرنا دیجئے..... ساری عمر سر پکڑ کر روئے گا۔!“ ظفر نے جیمسن کو چڑھانے والے انداز میں کہا۔

”نہ..... نہ..... ہرگز نہیں۔!“ سلیمان درمیان میں بول پڑا۔ ”صاحب انہیں مرنے کا مشورہ مت دیجئے۔!“

”ابے..... شادی کرنے سے مر جانے کا کیا تعلق.....؟“ عمران حیرت سے بولا۔

”بہت بڑا تعلق ہے..... شادی کے بعد ہی تو موت سنانے بیٹھی نظر آنے لگتی ہے۔!“ سلیمان گلرخ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

گلرخ نے دیکھ لیا تھا..... مگر خاموش رہی۔ جوزف کی موجودگی میں تو سلیمان کی مرمت کر لیتی تھی مگر جیمسن اور ظفر الملک کے سامنے اس سے لڑنے میں بہر حال اُسے تامل کرنا پڑتا تھا۔

”مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ شادی کے بعد مرد کو ہی مرنا پڑتا ہے۔!“ سلیمان نے فلسفانہ انداز میں گردن ہلا کر کہا۔

”وہ کیسے....؟“ عمران سمیت سب نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

”دیکھئے! بلکہ سمجھئے....! شوہر مر جاتا ہے بیوی زندہ رہتی ہے۔ سر مر جاتا ہے تو ساس زندہ موجود.... باپ مر گیا ماں زندہ.... دادا مرادادی زندہ.... نانا مرانانی سلامت.... پھوپھا مر پھوپھی بقیہ حیات.... خالو مرخالہ صحت مند.... بھائی مرابھابھوج زندہ.... مرد بے چاراجس رشتے کو اختیار کرتا ہے مر جاتا ہے۔ حادثوں.... جنگوں اور بیماریوں میں مرنے والے الگ رہے۔“ سلیمان انگلیوں پر گن کر بولا۔

”اے.... واہ.... تو تو واقعی بڑا عاقل و بالغ ہو گیا ہے۔ مجھے تو کبھی خیال ہی نہیں آیا۔“

عمران حیرت زدہ ہو کر بولا۔

”صاحب.... میں تو یہ بھی سوچنے لگا ہوں کہ اگر مردوں کے مرنے کی یہی رفتار ہے تو سو سال بعد دنیا میں مردوں کا مستقل کیا ہوگا....؟“

”تو اس کی بالکل فکر نہ کر....!“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”ہر مرد اپنے گھر کے طاق میں بیٹھا دکھائی دے گا۔ محض اس وجہ سے کہ عورتوں کو یاد رہے کہ کبھی اللہ نے یہ مخلوق بھی دنیا میں پیدا کی تھی۔ یادگار کے طور پر رکھ لئے جائیں گے۔“

”اے صاحب جی....!“ گلرخ ہنس کر بولی۔ ”سو سال کس نے دیکھے ہیں۔ میں تو کل ہی اسے طاق میں بٹھا کر جالی کا پردہ ڈال دوں گی اور صبح و شام ایک چراغ بھی جلایا کروں گی۔“

”لے.... تیرے مستقل کا فیصلہ تو ابھی ہو گیا۔“ عمران ہنس کر بولا۔

”ٹھیک ہے....!“ سلیمان دانت پیس کر گلرخ سے بولا۔ ”مرنے کے بعد شیخ سدو بن کر تیرا گلاباؤں گا۔“

”ابے جا.... زندگی میں تو گلابا نہ سکا.... مر کے دبائے گا۔“ گلرخ منہ بنا کے بولی۔

”اچھا.... بھاگو.... یہاں سے۔“ عمران جمائی لے کر بولا۔

”بہت تھک گیا ہوں اب سونا چاہتا ہوں.... گہری نیند....!“

﴿ختم شد﴾